اسلامائزیشن آف سائنس

سائنس پرستی سے سائنس دشمنی تک کے رویوں کا ایک تجزیاتی مطالعہ

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر

دار الفکر الاسلامی

نام کتاب: اسلامائزیشن آف سائنس

مصنف: ڈاکٹر حافظ محمد زبیر

ناشر: دار الفکر الاسلامی

صفحات: 42

قیمت: 60روپے

طبع اول: نومبر، 2019ء

ای میل: mzubair@cuilahore.edu.pk

hmzubair2000@hotmail.com

مصنف کی دیگر کتب:

- ☆ وجود باری تعالیٰ: مذہب، فلسفہ اور سائنس کی روشنی میں(Existence of God)
- ☆ صالح اور مصلح(Personality Development)
- ☆ سیکس، سائیکالوجی اور سوسائٹی(Sex, Psychology and Society)
- ☆ آسان دین(Easy Islam)
- ☆ تعلق کی سائنس(Science of Relationship)
- ☆ ازدواجی زندگی مسائل اور حل(Marital Life: Problems and Solutions)
- ☆ جادو، آسیب اور نظر بد کا علاج(Magic, Devil and Evil Eye)
- ☆ مکالمہ (Dialogue)
- ☆ اسلامی نظریہ حیات(Islamic Ideology of Life)
- ☆ اسلام اور مستشرقین(Islam and Orientalists)

اسلامائزیشن آف سائنس

سائنس پرستی سے سائنس دشمنی تک کے رویوں کا ایک تجزیاتی مطالعہ

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر
اسسٹنٹ پروفیسر، کامسائٹس انسٹی ٹیوٹ آف انفارمیشن ٹیکنالوجی، لاہور
ریسرچ فیلو، مجلس تحقیق اسلامی، ماڈل ٹاؤن، لاہور
ریسرچ فیلو، شعبہ تحقیق اسلامی، قرآن اکیڈمی، لاہور

دار الفکر الاسلامی

لاہور

﴿قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ﴾

[العنكبوت: 20]

”آپ ان سے کہہ دیں کہ تم زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ اللہ عزوجل نے تخلیق کی ابتداء کیسے کی ہے۔“

انتساب

خالد جامعی صاحب کے نام

کہ جن کی تحریروں نے توجہ دلائی کہ یہ موضوع بھی لکھنے کا ہے۔

فہرست مضامین

مقدمہ

یہ کتابچہ اس موضوع پر ہماری فیس بک کی تحریروں کا مجموعہ ہے کہ جنہیں تہذیب و تصحیح اور حک واضافے کے ساتھ شائع کیا جارہاہے۔ اسلام اور سائنس کے موضوع پر مختلف بیانیئے اس وقت موجود ہیں کہ جن میں سے چند ایک معروف بیانیوں کو ہم نے اس کتابچے میں موضوع بحث بنایاہے۔اس کتابچے میں سب سے زیادہ زیر بحث حسن عسکری صاحب کا بیانیہ رہاہے۔

اس بیانیئے نے انصاری مکتب فکر سے وابستہ بہت سے اہل فکر ودانش کو متاثر کیا ہے اور ان حضرات کی تحریریں ماہنامہ "الساحل" میں پبلش ہوئی ہیں۔ خالد جامعی صاحب نے خاص طور اس موضوع پر کافی کچھ لکھا ہے اور لکھتے رہتے ہیں۔ ہمیں اس موضوع پر حسن عسکری صاحب اور ان کے متبعین کے نقطہ نظر سے بالکل بھی اتفاق نہیں ہے لیکن ان کی تحریریں اس اعتبار سے قابل ستائش ہیں کہ کسی نے اس موضوع پر کھل کا اظہار خیال تو کیا ہے اور ایک بیانیہ تو پیش کیا ہے۔

میں اکثر وبیشتر اپنے دوستوں سے کہتا رہتا ہوں کہ اس مکتب فکر کی تحریروں کا مطالعہ کریں کہ ان میں سے بعض حضرات محنت سے لکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں اگر کسی کی بات سو فی صد درست نہیں ہوتی تو سو فی صد غلط بھی نہیں ہوتی لہذا سائنس اور ٹیکنالوجی کے حوالے سے جو نقطہ نظر انصاری مکتب فکر سے وابستہ حضرات پیش کر رہے ہیں، اس میں اضافی سچائی (relative truth) موجود ہے اگرچہ وہ کل حقیقت نہیں ہے۔

اگر یہ حضرات اسے حقیقت کے مطالعے کے لیے ایک زاویے کے طور پیش کریں تو بات پھر بھی چل جائے لیکن جب وہ اسے کل حقیقت بنا کر پیش کرتے ہیں تو پھر بات بگڑ جاتی ہے اور ایک ایسی فکر سامنے آتی ہے جو عدم توازن کا شکار لگتی ہے۔ تو ہمارا یہ کتابچہ اسی حوالے سے اس بیانیے پر ایک نقد ہے۔ ہمارا اس بیانیئے سے بنیادی اختلاف یہ ہے کہ ہماری نظر میں سائنس فی نفسہ شر نہیں ہے بلکہ اس کا استعمال اسے خیر اور شر بنادیتا ہے جبکہ ان حضرات کا اصرار یہ ہے کہ سائنس فی نفسہ شر ہے۔ سائنس سے ہماری مراد پیور سائنس ہے۔

ابوالحسن علوی

عقل، سائنس اور مذہب

جب یونانی فلسفے اور ارسطو کی منطق سے عالم اسلام کا واسطہ پڑا تو ہماری دینی روایت میں "عقل و نقل کی کشمکش" کے حوالے سے ایک بڑی بحث نے جنم لیا۔ قرون وسطی (middle ages) کا دور فلسفے، منطق اور عقل کا دور تھا اور آج ہم سائنس کے دور میں زندگی گزار رہے ہیں۔ اس دور میں عقل کے حوالے سے تین مکاتب فکر سامنے آئے۔ ایک معتزلہ کا مکتب فکر تھا کہ جس کا کہنا تھا کہ اشیاء کا حسن وقبح یعنی خوبصورتی اور بدصورتی اور افعال کا خیر وشر یعنی اچھا اور برا ہونا یہ سب عقلی ہے۔ پس خدا کے لیے یہ لازم ہے کہ اگر کوئی شیء یا فعل عقلاً اچھا ہے تو خدا اس کا حکم کرے اور خدا کے لیے یہ بھی لازم ہے کہ اگر کوئی شیء یا فعل عقلا برا ہے تو خدا اس سے منع کرے۔ اس بیانیے کے مطابق عقل اصل ہے اور خدا اس کے تابع ہے۔

عصر حاضر میں اس بیانیے کی تائید مزید ہمیں سر سید، جمال الدین فغانی، مفتی محمد عبدہ، رشید رضا اور غلام احمد پرویز کے ہاں ملتی ہے۔ اس میں دو نام تو ایسے ہیں یعنی سر سید اور پرویز کے کہ ان کا بیانیہ تو سائنس پرستی کی حدوں کو چھونے والا ہے۔ باقیوں کے ہاں یہ مسئلہ ہے لیکن کم ہے یا ایک حد سے زیادہ نہیں ہے۔ اس بیانیۓ کا خلاصہ یہ ہے کہ سائنس اصل حقیقت ہے اور مذہب اس کے تابع ہے لہٰذا مذہب کا حلیہ بگاڑ کر اس کو سائنس کے مطابق سانچے میں ڈھال دو۔ اس بیانیۓ کے رد میں ہماری کتاب " تحریک تجدد اور متجددین" ہے۔ اس کتاب میں ہم نے ان حضرات کے افکار کا رد کیا ہے۔ البتہ سر سید اس حوالے سے معقول واقع ہوئے ہیں کہ خود یہ لکھ گئے ہیں کہ اگر مستقبل میں سائنسی علم میں مزید انکشافات سامنے آئیں اور ان سائنسی حقائق کی روشنی میں ان کی حالیہ سائنسی تفسیر لغو معلوم ہو تو ان کی اس تفسیر کو رد کر دیا جائے اور ایک نئ تفسیر کی جائے۔ تو سر سید کو اس کا احساس تھا کہ تفسیر قرآن کے نام پر جو کچھ وہ کر رہے ہیں، یہ کل کلاں کو ان کے لیے ایک بوجھ بن سکتا ہے تو انہوں نے اپنے تئیں پہلے ہی سے اس بوجھ کو اپنے کندھوں سے اتارنے کے عزم کا بھی اظہار کر دیا۔ تو اپنے اس بیان سے وہ خود ہی یہ تعارف کروا رہے تھے کہ ان کی اپنی نظر میں ان کے علمی و تحقیقی کام کی اہمیت و حقیقت کس قدر ہے۔

دوسرا بیانیہ اشاعرہ کا ہے۔ اس کے مطابق اشیاء کا حسن وقبح اور افعال کا خیر وشر شرعی ہے۔ پس ایک کام اچھا ہے لیکن صرف اسی وقت جبکہ شریعت اسے اچھا کہے اور ایک کام برا ہے لیکن صرف اسی وقت جبکہ شریعت اسے برا کہے۔ چیزوں کی اچھائی اور برائی اور افعال کے خیر وشر کے جاننے میں عقل کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ شافعیہ اور مالکیہ کی اکثریت اشعری بیانیے کی حامل رہی ہے۔ عصر حاضر میں اس بیانیے کی تائید مزید سائنس کے حوالے سے انصاری مکتب فکر کے ہاں ملتی ہے کہ جہاں سائنس کی دشمنی اُسی طرح موجود ہے جیسا کہ اشاعرہ کے ہاں عقل کی مخالفت۔ اس بیانیے سے آپ ایک لوکل کمیونٹی کو تو قائل کر سکتے ہیں لیکن عالمی سائنسی ذہن کو اگر امت نے لیڈ کرنا ہے تو یہ بیانیہ اس قابل نہیں ہے کہ یہ تو اس فکر کو ہی جڑ سے کاٹنے کی بات کرتا ہے کہ جس پر سائنسی دور کا دماغ کھڑا ہو پایا ہے۔ اس بیانیے کے رد میں ہم نے اپنی کتاب "مکالمہ" میں تفصیل سے بحث کی ہے۔ اس کتاب کو گوگل کر کے ڈاؤن لوڈ کیا جا سکتا ہے۔

تیسرا بیانیہ ماتریدیہ کا ہے کہ جسے احناف کی اکثریت نے اختیار کیا اور اس بارے سلفیہ نے بھی ان کی حمایت کی بلکہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس بیانیے کے ایک بہت بڑے ترجمان کی حیثیت سے سامنے آئے ہیں۔ اور یہی ہماری نظر میں وہ معتدل بیانیہ ہے جو آج کے دور کے انسان کو اپیل کر سکتا ہے۔ اس بیانیے کے مطابق اشیاء کا حسن وقبح اور افعال کا خیر وشر عقلی ہے لیکن وہ شیء اور فعل خدا کا حکم، خدا کے حکم سے ہی بنتی ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس بیانیے کے حق میں "درء تعارض العقل والنقل" کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی جو دس جلدوں میں پبلش ہو رہی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ عقل صحیح اور نقل صریح میں کبھی بھی تضاد ممکن نہیں ہے۔ جہاں آپ کو تضاد نظر آئے تو اس کی وجہ یہی ہو گی کہ یا تو عقل، صحیح نہیں ہے یا پھر نقل، صریح نہیں ہے۔

عصر حاضر میں سائنس کے حوالے سے اس بیانیے کی تائید مزید پر مفصل کام ہم نے اپنی کتاب "وجود باری تعالی: مذہب، فلسفہ اور سائنس کی روشنی میں" کیا ہے۔ اس بیانیے کا خلاصہ یہ ہے کہ سائنس یعنی طبیعاتی قوانین (Physical laws)، خدا کا فعل (work of God) ہے جبکہ مذہب یعنی مابعد الطبیعاتی قوانین (Metaphysical laws)، خدا کا کلام (word of

(God) ہے تو خدا کے فعل اور کلام میں فرق نہیں ہو سکتا۔ سائنس کچھ بھی نہیں ہے سوائے اس کے کہ خدا کی صفت خلق کا اظہار ہے اور مذہب خدا کی صفت کلام کا نتیجہ ہے۔ تو دونوں ایک دوسرے کو اسپورٹ نہ کریں گے تو کیا کریں گے؟ دونوں کا مصدر خدا ہی تو ہے۔ اگر آپ کو ان میں تضاد نظر آتا ہے تو یا تو سائنس خالص (pure) نہیں ہے یا پھر مذہب، مسخ شدہ (corrupted) ہے۔ تو سائنس کو دیکھنے کا ایک زاویہ نگاہ یہ بھی ہے کہ جس سے اکثر لوگ محروم ہیں۔

سائنس پرستی سے سائنس دشمنی تک

سر سید کی "تفسیر القرآن" سے لے کر غلام احمد پرویز کی "مطالب الفرقان" تک ہمیں سائنس کے حوالے سے جو رویہ دیکھنے کو ملتا ہے، اسے سائنس پرستی (Scientism) کا نام دیا جا سکتا ہے۔ سائنس کے حوالے سے اس مرعوبانہ اپروچ نے دین کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا۔ سر سید صاحب اپنے تمام اخلاص کے باوصف قرآن مجید کی جب تفسیر کرنے بیٹھتے ہیں تو ایسی ایسی مضحکہ خیز تاویلات کا انبار لگا دیتے ہیں کہ الامان والحفیظ۔ ان کے بقول حضرت موسی علیہ السلام کے عصا مارنے سے سمندر کے پانی کے پھٹ کر دیواروں کی طرح کھڑے ہو جانے کے قرآنی بیان سے مراد سمندر کا مدوجزر ہے۔ حضرت عزیر علیہ السلام کے سو سال بعد دوبارہ زندہ کیے جانے سے مراد ان کا خواب ہے۔ حضرت عیسی علیہ السلام کے پرندوں میں پھونک مارنے سے مراد بچوں کا کھیل ہے۔ اور ان کے مردوں کو زندہ کرنے سے مراد کافروں کو مسلمان بنانا ہے۔ جبرئیل سے مراد اللہ کی قدرت ہے اور جنات سے مراد وحشی، اجڈ اور ڈاکو ہیں۔ جنت سے مراد راحت کی کیفیت ہے جبکہ جہنم سے مراد بے سکونی اور اضطراب کی حالت ہے۔

اسی منہج پر چلتے ہوئے غلام احمد پرویز نے قرآن مجید کی تفسیر "مطالب الفرقان" مرتب کی۔ پرویز صاحب کے بقول آدم سے مراد کوئی شخص نہیں ہے بلکہ بندروں کی ایک نوع ہے، معاذ اللہ! کہ جس کا ارتقاء انسان کی صورت میں ہوا ہے۔ جہنم انسان کی ایک قلبی کیفیت کا نام ہے۔ جنت بھی ایک کیفیت ہی ہے۔ قیامت کے دن سے مراد انقلاب کا زمانہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام

جس آگ میں ڈالے گئے اور زندہ رہے وہ کافروں کی دشمنی اور عداوت کی آگ تھی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا واقعہ ایک خواب تھا۔ حضرت موسی علیہ السلام کے عصا سے مراد تورات کے وہ احکامات ہیں جو انھوں نے بنی اسرائیل کے سامنے پیش کیے تھے۔ حضرت عیسی علیہ السلام کے پرندوں میں پھونک مار کر انہیں اڑانے کے معجزات سے مراد حضرت انسان کا فضاؤں میں اڑنا ہے یعنی ہوائی جہاز کی ایجاد کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پرندوں کی بولیاں جاننے سے مراد گھوڑوں کی نسل کا علم ہونا ہے۔ فرشتوں سے مراد قوانین فطرت (forces of nature) ہیں وغیرہ وغیرہ

خیر سائنس پرستی کی اس انتہا پسندانہ اپیروچ کے رد میں تو بہت علمی کام ہو چکا البتہ.بر صغیر پاک وہند میں سائنس پرستی کی اس اپیروچ کے رد عمل میں ایک دوسری انتہا پسندانہ اپیروچ نے بھی جنم لیا کہ جسے ہم سائنس دشمنی کا نام دے سکتے ہیں۔ حسن عسکری صاحب کی "جدیدیت" سے لے کر ظفر اقبال صاحب کی "اسلام اور جدید سائنس: نئے تناظر میں" تک پورا ایک طبقہ ہے جو سائنس دشمنی میں پیش پیش نظر آتا ہے۔مزید اس اپیروچ کے مطالعے کے لیے مجلّہ ساحل اور جریدہ میگزین کے خصوصی شمارے بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ جناب مدیر مجلّہ ساحل کو شکوہ ہے کہ "افسوس یہ ہے کہ بے شمار دینی مفکرین اور بعض راسخ العقیدہ علماء مغرب کی سائنس اور ٹیکنالوجی سے بے حد مرعوب ہو کر قرآن وسنت اور اسلام کی بے بنیاد اور غلط سلط سائنسی تشریحات پیش کر رہے ہیں۔اس فہرست میں وحید الدین خان، شہاب الدین ندوی، ڈاکٹر محمود غازی، جاوید غامدی، زاہد الراشدی، قاضی عیسی منصوری، ڈاکٹر غلام مرتضی ملک، غلام احمد پرویز، ذاکر نائیک، کرمانی، ضیاء الدین سردار وغیرہ شامل ہیں۔"

اب یہ معلوم نہیں کہ راسخ العقیدہ علماء کی طرف سے کتاب وسنت کی غلط تشریحات ہوئی ہیں؟ اس کا تعین کون کرے گا؟ خود مدیر مجلّہ صاحب؟ اور جس اداریے کا یہ اقتباس ہے، اس کا عنوان "یوسف قرضاوی سے مولانا تقی عثمانی تک" ہے۔اب ان دونوں اہل علم حضرات کا انھوں نے کیا حشر کیا ہو گا، اس کی تفصیل کے لیے ساحل نومبر 2006ء کا اداریہ دیکھ لیں۔ مفتی تقی

عثمانی صاحب کا تو انہوں نے بھرم رکھ لیا یا کسی سماجی دباؤ کے پیش نظر "مولانا" لکھ دیا لیکن یوسف قرضاوی کو تو اتنا مارجن بھی نہ دیا۔ ویسے غلام احمد پرویز، وحید الدین خان، جاوید غامدی اور ڈاکٹر ذاکر نائیک، مولانا زاہد الراشدی اور ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب کو ایک ہی صف میں کھڑا کرنا بھی دین کی کون سی خدمت ہے!

اسی طرح ڈاکٹر زاہد صدیق مغل صاحب سائنسی علم اور سائنٹفک میتھڈ کی حقیقت کے پول کھولتے ہوئے لکھتے ہیں: "اگر کوئی مومن یہ سنتا ہے کہ جب زنا کی کثرت ہوتی ہے تو زلزلے کثرت سے آتے ہیں [جیسے کہ حدیث میں آیا ہے] تو حوادث عالم [زلزلہ آنے] کی حقیقت کا یہ ادراک اس میں برے اعمال سے توبہ اور اصلاح احوال کی فکر کرنے کے جذبات پیدا کرتا ہے۔ مگر سائنس کے نزدیک یہ بات ہی مہمل اور بے معنی ہے کیونکہ یہ اس کے تصور حقیقت سے مطابقت نہیں رکھتی۔ چنانچہ ایک ایسا شخص کہ جس کی عقل وخرد پر سائنس کے تصور حقیقت کی گرد پڑ گئی ہو، اس واقعے کو معروضیت [objectivity] کی نظر سے دیکھ کر یہ کہے گا کہ زلزلہ زمین کے اندر چند جغرافیائی نوعیت کی تبدیلیوں کی وجہ سے آتا ہے۔ اس نقطہ نظر کی کوئی ٹھوس دلیل نہیں ہے۔ یہ صرف سائنس کا ایمان، عقیدہ اور مفروضہ ہے کہ زمین میں ہلچل رکابیوں کے ہلنے سے پیدا ہوتی ہے۔"

ڈاکٹر زاہد صدیق مغل صاحب یہ بھی لکھتے ہیں کہ سائنس کے حق میں یہ دلیل دی جاتی ہے کہ اس نے شریعت پر عمل کو آسان بنا دیا ہے کہ تیز رفتار سواری کی وجہ سے وقت بچ جاتا ہے لہٰذا آپ اس وقت میں عبادت کر سکتے ہیں۔ وہ اس دلیل کے رد میں لکھتے ہیں "مگر یہ تجزیہ نہایت عامیانہ ہے... پہلے جو سفر کئی مہینوں میں ہوتا تھا، اب چند گھنٹوں میں طے کیا جا سکتا ہے، مگر اس کے نتیجے میں ہماری زندگیوں میں سفر پر صرف ہونے والا اوسطا یومیہ وقت کم ہونے کی بجائے بڑھ گیا ہے۔ مثال کے طور پر آپ اس بات پر غور کریں کہ ایک گاؤں میں رہنے والا شخص ایک ہفتے یا مہینے میں کتنے گھنٹے سفر پر خرچ کرتا ہے اور شہری شخص کتنے گھنٹے سفر کرتا ہے۔ واضح طور آپ دیکھیں گے کہ شہری شخص بہ نسبت گاؤں کے رہائشی کے اوسطا زیادہ گھنٹے سفر کرتا ہے... ہمیں تو

کہیں نظر نہیں آتا کہ سائنس و ٹیکنالوجی کی ترقی کے بعد نماز فجر میں مسجدیں نمازیوں سے بھرنے لگی ہوں۔ اور اگر بالفرض چند اعمال ایسے بتا بھی دیئے جائیں جن پر عمل کرنے میں آسانیاں پیدا ہو گئی ہیں تو یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ شیطان کے سواء کوئی بھی شے شر محض نہیں ہوتی، دنیا کی ہر شے میں کوئی نہ کوئی فائدہ تو دکھایا جا ہی سکتا ہے۔ ایسے فوائد تو جادو میں بھی پائے جاتے ہیں، لیکن کیا ایسے چند فوائد کا مطلب یہ ہوا کہ مسلمانوں کو اپنا نظام زندگی جادو کے علم پر تعمیر کرنا چاہیے؟"

تو ان حضرات کی نظر میں سائنس اور ٹیکنالوجی کا علم سیکھنا ایسا ہی ہے جیسا کہ جادو کا علم سیکھنا، مطلب اتنا ہی بے کار کام ہے، بہر حال حرام تو وہ نہیں کہتے۔ وہاں ویسے ایک اعتبار سے بات تو درست ہی ہے، آج کل کی ٹیکنالوجی کے اثرات قدیم زمانے کے جادو سے تو کسی طور کم نہیں ہیں۔ اب کی دنیا ہے تو یہ جادو نگری ہی۔ بہر حال ایسے بیانیئے کا کیا فائدہ، دو لوگ بھی اسے قبول نہیں کریں گے کہ آپ لوگوں کو گاؤں کی زندگی کے فضائل سنا رہے ہوں اور دیہاتی لائف اسٹائل کو دین کے قریب بتلا رہے ہوں گے اور خود اسلام آباد کے کسی پوش ایریے میں پلاٹ خریدنے کے لیے انہی سے مشورہ مانگ رہے ہوں۔ کچھ ایسا ہی حال اس بیانیئے کے تمام حاملین کا معلوم پڑتا ہے۔ بلاشبہ یہ حضرات کمال درجے کے موٹیویشنل اسپیکرز اور رائٹرز ہیں کہ موبائل فون ہاتھ میں پکڑ کر اس کی ایک کر سکتے ہیں اور اتنی فصاحت و بلاغت کے ساتھ کہ لیکچر سننے کے بعد پہلا خیال ہی آپ کے ذہن میں یہ پیدا ہو گا کہ میرے وجود میں موجود تمام شر کی جڑ یہی اسمارٹ فون ہے لہذا مجھے اسے توڑ دینا چاہیے۔

لیکن معذرت کے ساتھ، یہ سوفسطائیوں کی سی منطق ہے بلکہ انداز گفتگو بھی۔ اسلام کی نہ تو سائنس سے دشمنی ہے اور نہ ہی ٹیکنالوجی سے۔ یہ اپروچ محض رد عمل کی نفسیات ہے اور کچھ نہیں۔ ادھر ان میں سے ہر صاحب راسخ العقیدہ اہل علم کو یہ طعنہ دے رہا ہوتا ہے کہ اس نے مغرب کو نہیں پڑھا، اسے کیا پتہ کہ مغرب کیا ہے؟ تو بھئی، آپ نے مغرب کو پڑھ لیا ہے لیکن انہوں نے نہیں پڑھا، حقیقت یہی ہے۔ اس لیے آپ پر مغرب کے اثرات کے امکانات زیادہ ہیں

جو کہ نظر بھی آ رہے ہیں کہ مغرب کا ہر 180 ڈگری پھرا ہوا دماغ آپ کے بنیادی مصادر میں ہے، یہ کیا آپ پر مغرب کا کم اثر ہے۔ یہ تو ان راسخ العقیدہ علماء کی خوبی ہے کہ انہوں نے مغرب کو نہیں پڑھا، آپ نے اسے خامی بنا دیا ہے۔ یہ ان کی خوبی ہے کہ انہیں انگریزی نہیں آتی اور آپ نے خامی بنا دی ہے۔

مجھے اکثر حلقوں میں آنے جانے کا شوق رہتا ہے۔ کراچی میں جاوید اکبر انصاری صاحب کی مجلس میں بیٹھ کر براہ راست ان کی گفتگو سننے کا بھی موقع ملا۔ دوسری طرف باسط بلال کوشل صاحب، پروفیسر لمز یونیورسٹی، کی ورکشاپ میں بھی شرکت کا موقع ملا۔ تو انصاری صاحب اور باسط بلال کوشل صاحب، دونوں کے حلقہ احباب اور فالورز میں بھی یہ بیماری بہت عام ہے کہ تم نے فلاں کتاب پڑھی ہے؟ تمہیں کیا پتہ مغرب کیا ہے؟ اور یہ سب ایسے ہی لکھتے ہیں کہ جیسے ان کے علاوہ سارے "الو بھاٹے" ہیں اور امت میں بس یہی عظیم دانشور بچے ہیں۔ ویسے ان دونوں حلقوں کے نظریات بھی 180 ڈگری مختلف ہیں۔ مقدم الذکر اگر فلسفے اور سائنس کے حوالے سے منہج میں اشعری ہیں تو موخر الذکر معتزلی منہج کے حامل ہیں۔ میری بڑی خواہش ہے کہ کسی دن یہ دونوں حلقے آمنے سامنے ہوں اور پھر میچ دیکھنے کا موقع ملے کہ کس نے مغرب کو کتنا پڑھا ہے؟ ہمیں تو بھئی اتنی انگریزی ہی نہیں آتی، مغرب کو کیا خاک پڑھیں گے؟ اوپر سے اپنی اس نا اہلی کو ثواب سمجھے بیٹھے ہیں۔ البتہ ان حلقوں کے منتسبین کبھی کبھار ہماری باتیں پڑھ سن کر رعب جھاڑنے کے لیے کسی مغربی فلسفی کا حوالہ دیتے ہیں کہ ہم ان سے متاثر ہیں۔ خیر ہم نے تو ان فلسفی صاحب کا نام پہلی بار سنا ہوتا ہے، اپنا تو بھائی مغرب کا اتنا ہی مطالعہ ہے لیکن یہ سن کر دل بڑا خوش ہوتا ہے کہ میری جیسی باتیں اتنے بڑے فلسفی بھی کر لیا کرتے تھے۔

سائنس دشمنی سے روایت پرستی تک

روایت کا لفظ کئی ایک معنوں میں استعمال ہوتا ہے؛ بعض اوقات اس سے مراد صرف حدیث ہوتی ہے، بعض اوقات قرآن مجید اور حدیث دونوں، اور بعض اوقات اس میں قرآن مجید اور حدیث کے ساتھ کلام، فقہ اور تصوف کو بھی شامل کر لیا جاتا ہے۔ اب عموماً روایت کا یہی معنی عام

ہے۔اس آرٹیکل میں روایت کے اسی معنی کو سامنے رکھتے ہوئے کچھ گزارشات پیش کی جا رہی ہے۔اس دوسرے معنی میں ہم "روایت پسند" ضرور ہیں لیکن "روایت پرست" بالکل بھی نہیں ہیں اور اسے یعنی روایت پرستی کو ایک فتنہ اور گمراہی سمجھتے ہیں کہ جس کا رد ایک دینی فریضہ ہے۔ جب ہم اپنے آپ کو روایت پسند کہتے ہیں تو ہم روایت سے تمسک کے قائل ہیں لیکن اس کی اتباع تقلیدی جمود کے رویے کے ساتھ نہیں بلکہ اصلاح کی پوزیشن لیتے ہوئے کرنے کے قائل ہیں۔ اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے ہمارے کتابچے "روایت اور جدیدیت" کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔یہ کتابچہ بھی گوگل کر کے ڈاؤن لوڈ کیا جا سکتا ہے۔

تو روایت پرست وہ ہے جو روایت کی اصلاح کو ایک گمراہی سمجھتا ہے اور اس پر مصر ہوتا ہے کہ روایت جیسی کہ وہ ہے، بس آنکھیں بند کر کے اسے قبول کر لو۔روایت پسند دماغ کے استعمال پر زور دیتا ہے لیکن روایت پرست کے نزدیک دماغ کا استعمال صرف ایک پہلو سے جائز ہے اور وہ ہے روایت پرستی یعنی روایت کی پوجا کرنے کی کوئی دلیل دماغ سے پیدا کر سکتے ہو تو اس حد تک اس کا استعمال جائز ہے ورنہ جائز نہیں ہے۔اور روایت کا معنی بھی یہ لوگ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس کا لکھا ہونا بھی شرط نہیں ہے جیسا کہ قرآن اور حدیث بلکہ اس کا زبانی ہونا بھی کافی ہے یعنی سینہ بہ سینہ علم کافی ہے۔یہ اصل میں ایسے جملوں سے تصوف کی باطنی روایت اور علوم کو قرآن وحدیث کی طرح کا دین ثابت کرنا اور منوانا چاہتے ہیں۔

حسن عسکری صاحب لکھتے ہیں کہ "صرف اسلام ہی نہیں بلکہ مشرق کے سارے ادیان کا انحصار زیادہ تر زبانی روایت پر ہے، لکھی ہوئی کتابوں پر نہیں۔ہمارے نزدیک کسی دین کے زندہ ہونے کا معیار یہ ہے کہ روایت شروع سے لے کر آج تک کلی حیثیت سے سلسلہ بہ سلسلہ اور سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی چلی آ رہی ہو۔" حسن عسکری صاحب مزید لکھتے ہیں کہ گلیلیو نے یہ جو کہا تھا کہ خدا کی اصل میں دو کتابیں ہیں؛ انجیل اور فطرت یعنی خدا تک دو طریقوں سے پہنچا جا سکتا ہے، ایک الہامی کتاب سے اور دوسرا سائنس کی کتاب سے تو یہ گمراہی کا ایک نیا روپ تھا۔ حسن عسکری صاحب کا یہ بیان سائنس دشمنی نہیں تو اور کیا ہے؟

بھئی! آپ کو اس میں مسئلہ ہی کیا ہے کہ ایک شخص کائنات میں غور وفکر کے نتیجے میں خدا تک پہنچ جاتا ہے۔ اور گلیلیو کے دور کی سائنس، آج کی سائنس تھوڑی ہے کہ جسے آپ سازشی تھیوری کا الزام دے سکیں! حسن عسکری صاحب نیوٹن کو عقلیت پرستی کا دوسرا بڑا امام کہتے ہیں اور کشش ثقل (gravity) کے قانون کی دریافت کو گمراہی کی بنیاد سمجھتے ہیں۔ یہ مسلمانوں میں سائنس کے بارے میں بالکل کلیسائی اپروچ ہے جو حسن عسکری صاحب سے شروع ہوتی ہے اور ظفر اقبال صاحب پر ختم ہو جاتی ہے کہ مغرب میں مذہب سے دوری کی اصل وجہ سائنس بنی ہے تو مسلمان معاشروں میں بھی سائنس رائج ہو گئی تو یہ بھی مذہب بیزار ہو جائیں گے، یہ ان کا کل مقدمہ ہے۔

دوسری طرف حسن عسکری صاحب مغرب میں مذہب کے خاتمے اور جدیدیت کے پروان چڑھنے کے اسباب کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کی ایک بڑی وجہ عیسائیوں کے پروٹسٹنٹ فرقے کا یہ کہنا تھا کہ خدا اور بندے کا تعلق براہ راست ہے اور پادریوں کو درمیان میں آنے کا حق نہیں۔ اور حسن عسکری صاحب کے بقول تمام گمراہیوں کی اصل جڑ یہی ہے کہ آپ درمیان میں سے پادری اور مولوی کو نکال کر خدا کے ساتھ براہ راست جڑ جائیں۔ حسن عسکری صاحب جب مغرب کی گمراہیوں کا تذکرہ کرتے ہیں کہ کن وجوہات سے وہ مذہب بیزار ہوا اور جدیدیت کی راہ پر چلا تو اس میں 32 نمبر میں لکھتے ہیں کہ پادریوں کی گمراہی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ انہوں نے خدا کے احکامات کی عقلی مصلحتیں تلاش کرنا شروع کر دیں تھیں۔ یعنی ان کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس کام سے بچنا چاہیے کیونکہ یہاں سے ہی عقلیت پرستی کا آغاز ہو جاتا ہے۔ بس کرنے کا صرف ایک ہی کام رہ گیا ہے کہ اپنا دماغ بند کر دو، خبردار جو اسے استعمال کیا، اور خاص کر دین میں، توبہ توبہ، اس سے بڑی گمراہی کوئی نہیں ہے۔ ان کا بس چلتا تو شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کے کام کو بھی لغو قرار دے دیتے لیکن کیا کہیں کہ ایسا فتویٰ لگانے میں ان کا مقام آڑے آتا ہے اور علماء بھی سارے خلاف ہو جائیں گے کہ انہیں ہی تو یہ سارا سبق پڑھانا ہے۔ لہٰذا یہی کام "حجۃ اللہ البالغۃ" کے چھوٹے موٹے متاثرین پر فتوے لگا کر کیا جا سکتا ہے۔

گمراہی نمبر 54 کے تحت لکھتے ہیں کہ یہ دعوی کرنا کہ دین سیدھی سادی چیز ہے اور علماء نے اسے پیچیدہ بنادیا ہے اور دین میں سادگی پیدا کرنے کا دعوی کرنا بھی ایک گمراہی ہے۔ یعنی اس قسم کے دعووں سے بھی معاشرے میں جدیدیت پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح گمراہی نمبر 64 کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ ہر دین کے پہلو میں دوسرے ملکوں، قوموں اور مذاہب کے اثرات تلاش کرنا مثلاً یہ کہنا کہ مسلمانوں میں تصوف ایرانیوں یا ہندوؤں کے اثر سے آیا۔ اس طرح کی تحقیق سے بھی جدیدیت پھیلتی ہے۔ مطلب تصوف جیسا کہ وہ ہے، بس اسے قبول کر لو، اس کی کسی بات پر اعتراض دراصل روایت پر اعتراض ہے، اور روایت پر اعتراض جدیدیت پسندی ہے۔ کمال ہے!

گمراہی نمبر 66 میں ذکر کرتے ہیں کہ دینی کتابوں کا صرف ظاہری اور خارجی مطلب دیکھنا بھی ایک گمراہی ہی ہے، مطلب صوفیاء کی تفسیر باطنی ہی اصل تفسیر ٹھہری جبکہ صوفیاء نے تفسیر اشاری کے نام پر جتنی گمراہی پھیلائی ہے، اس کے سامنے سرسید اور پرویز کی گمراہی ہیچ ہے۔ تو روایت پرستی کی پھیلائی ہوئی گمراہیاں، جدیدیت کی پھیلائی ہوئی گمراہیوں سے بہت بڑھ کر ہے۔ رسول اللہ ﷺ جس جاہلیت قدیمہ کی بیخ کنی کے لیے مبعوث ہوئے تھے، وہ دین ابراہیمی کی بگڑی ہوئی شکل تھی۔ مشرکین مکہ کا یہ دعوی تھا کہ وہ دین ابراہیمی پر ہیں یعنی روایت پر ہیں لیکن اللہ عزوجل نے ان کی اصلاح کے لیے ایک پورا دین نازل کر دیا۔ پھر یہودی اور عیسائی دینی روایت کے حاملین نہیں ہیں کیا؟ ہیں تو سہی لیکن آخرت میں نجات کے لیے روایت پر ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ صحیح روایت پر ہونا ضروری ہے، روایت پسندوں کو یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کیونکہ روایت جب بگڑ جاتی ہے تو اس سے جو فساد برپا ہوتا ہے، وہ جدیدیت کے پیدا کردہ فساد سے بہت بڑھ کر ہوتا ہے۔ جہمیت، اعتزال، خوارجیت اور رافضیت بھی تو اس امت میں پیدا ہونے والی روایات ہی تو ہیں کہ جنہیں امت نے اٹھا کر پھینک دیا۔ تو ہمیں روایت کو من وعن قبول کرنے کی بجائے اس کی اصلاح کی پوزیشن لینی ہے، یہ ہمارا اکل مقدمہ ہے۔

معروف صوفی ابو عبد الرحمٰن السلمی متوفی 412ھ کی تفسیر اشاری "حقائق التفسیر" کے بارے امام ابوالحسن الواحدی الشافعی متوفی 468ھ نے فتوی دیا کہ اگر اس نے اسے تفسیر سمجھ کر

لکھا ہے تو کفر کا ارتکاب کیا ہے۔اس رائے کی توثیق امام ابن الصلاح متوفی 643ھ کے فتاوی سے بھی ہوتی ہے۔علاوہ ازیں علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے تلبیس ابلیس میں لکھا ہے کہ ابو عبد الرحمٰن السلمی نے تفسیر کے نام ہذیان اور کفر بکا ہے اور مسخرے پن کا اظہار کیا ہے۔مثلاً سورۃ البقرۃ کی آیت 85 «وَإِنْ يَأْتُوكُمْ أُسَارَى تُفَادُوهُمْ» کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اگر تمہارے نفس تمہارے پاس گناہوں کے قیدی بن کر آئیں تو ان کا کفارہ یوں ادا کرو کہ دنیا سے قطع تعلّق کر لو حالانکہ یہ آیات یہودیوں کے ان قبائل کے بارے ہیں جو آپس میں لڑتے مرتے رہتے تھے۔

جس طرح کی بے بنیاد تفسیریں ہمارے ہاں سر سید اور غلام احمد پرویز نے مغربی سائنسی فکر سے متاثر ہو کر کیں، ویسی ہی ہمیں شیخ ابن عربی اور دیگر صوفیاء کے ہاں مل جاتی ہیں لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ صوفیاء کی تفسیریں یونانی فلسفے اور مسیحی رہبانیت کے تصورات سے مرعوبیت میں کی گئی ہیں۔تو یہ صوفیاء بھی اپنے دور کے متجددین تھے کہ روایت پسند فقہاء کی تفاسیر کو نص کا ظاہر کہتے رہے اور باطن کے نام پر یونانی خرافات کو اللہ کے کلام کے باطنی اور حقیقی معانی کے طور پیش کرتے رہے جیسا کہ شیخ ابن عربی متوفی 638ھ نے فصوص الحکم میں لکھا ہے کہ «وَرَفَعْنَاهُ مَكَاناً عَلِيًّا» کا معنی یہ ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام کو سورج کے فلک میں رکھا گیا کہ جو سب سے اعلی مقام ہے۔اس فلک کے نیچے سات افلاک ہیں اور سات ہی افلاک اوپر بھی ہیں جو کل ملا کر پندرہ افلاک ہو گئے۔اور پھر چودہ افلاک کے نام بتلا دیے اور کہا کہ یہ علو مکان یعنی مقام کی بلندی ہے جو حضرت ادریس علیہ السلام کو حاصل ہوا جبکہ ایک دوسری چیز علو مکانی ہے یعنی عظمت کی بلندی تو وہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے جیسا کہ آیت باری تعالی «وَ أَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ وَاللهُ مَعَكُمْ» میں ہے حالانکہ یہ آیت مبارکہ جہاد کے سیاق میں نازل ہوئی ہے اور آیات کے یہ معانی و مفاہیم قرآن مجید کے الفاظ کو ان کے سیاق و سباق سے کاٹ کر بیان کرنا ممکن نہیں ہے اور یہی کام صوفیاء نے کیا ہے کہ قرآن مجید کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جیسا کہ مشرکین مکہ کے بارے اللہ عزوجل نے سورۃ الحجر میں بیان فرمایا کہ انہوں نے قرآن مجید کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔

سہل بن عبد اللہ التستری کہتے ہیں کہ «وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا» میں دو گروہوں میں سے ایک سے مراد انسان کا دل ہے اور دوسرا گروہ اس کی خواہش ہے۔ پس جب ان دونوں میں لڑائی ہو جائے تو صلح کروا دو اور اگر خواہش نفس، قلب کے خلاف بغاوت کر دے تو اب اس خواہش سے مراقبے کی تلوار سے قتال کرو۔ کہاں ان آیات کا شان نزول اور مضمون اور کہاں یہ تفسیر اشاری کی خرافات۔ اسی طرح شیخ ابن عربی کی طرف منسوب تفسیر میں یہ بھی ہے کہ سورۃ الرحمٰن میں جن دو دریاؤں کا ذکر ہے کہ وہ آپس میں ملتے نہیں ہیں یعنی «مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ. بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ» تو ان میں سے ایک دریا تو "ہیولی" (Hyle) ہے جبکہ دوسرا "روح" ہے اور ان دونوں کے درمیان برزخ جسم انسانی ہے۔

انہی صوفیاء کی تفسیری اشاری کے منہج پر ایک باطنی فرقہ پیدا ہوا کہ جس نے تفسیر اشاری کو الحاد تک پہنچا دیا جیسا کہ باطنی فرقے کی تفسیروں میں سے ہے کہ اللہ عزوجل نے سورۃ البقرۃ میں جس گائے کے ذبح کرنے کا حکم دیا تھا تو وہ معاذہ اللہ! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ سورۃ المائدۃ میں جسے جبت اور طاغوت کہا گیا ہے، اس سے مراد معاذ اللہ! ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ بعض صوفیاء نے اگرچہ تفسیر اشاری اور تفسیر باطنی میں فرق کرنے کی کوشش کی ہے لیکن وہ بیان تکلف محض سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ تفسیر اشاری ہو یا تفسیر باطنی دونوں پروردگار کے کلام کے ساتھ کھیل، تماشا، تمسخر اور استہزاء ہیں۔ فصوص الحکم کے مترجم مولانا عبد القدیر صدیقی صاحب تفسیر اشاری کو علم اعتبار کا نام دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب شیخ ابن عربی یہ کہتے ہیں کہ فرعون ایمان لے آیا تھا تو اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ موسی کا فرعون ایمان لے آیا تھا بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ فرعون سے مراد نفس لعین ہے، اور جس سمندر میں وہ غرق ہوا، وہ وحدت کا سمندر ہے، اور موسی سے مراد قلب سلم ہے، بنی اسرائیل سے مراد خیالات طیبہ ہیں اور پھر آگے جو مرضی بکواس کرتے چلے جائیں کہ بکواس کا کوئی قاعدہ ضابطہ تو ہے نہیں۔

تو بھئی اگر صوفیاء نے تفسیر اشاری اور علم اعتباری کے نام سے بکواس اور ہذیان نہیں بکا تو پھر باطنیہ، معتزلہ، سر سید، پرویز اور غلام احمد قادیانی نے بھی تفسیر کے نام پر کوئی کفر اور ہذیان نہیں

بکا۔ معلوم نہیں دونوں کے مسخرے پن میں یہ حضرات کیسے فرق کر لیتے ہیں! ہم یہ مانتے ہیں کہ تفسیر اشاری اور تفسیر باطنی میں فرق ہے لیکن دونوں میں فرق مان لینے سے تفسیر اشاری کا درست ہونا ثابت ہو جاتا ہے کیا؟ تو تفسیر اشاری کی چار صورتیں ہیں کہ جن میں ایک تفسیر باطنی ہے اور یہ چاروں کی چاروں نہ صرف حرام ہیں بلکہ کتاب اللہ کے ساتھ تمسخر اور استہزاء کے حکم میں ہیں۔ رفاہ یونیورسٹی میں اصول تفسیر کا مادہ پڑھاتے ہوئے تفسیر اشاری پر ایک لیکچر ریکارڈ کروایا تھا، اس میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

تو فقہاء جب اصول تفسیر اور اصول فقہ مدون کر رہے تھے تو کیا انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ نص کے معانی بیان کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے۔ اب اس کا یہ جواب دینا کہ فقہاء کا مقصود احکام شرعیہ کا بیان تھا اور صوفیاء تفسیر اشاری سے احکام شرعیہ اخذ نہیں کرتے ہیں تو اس کے جواب میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ ایسا بیان دینے والے نے نہ تو تفسیر اشاری پڑھ رکھی ہے جو اس کے صوفیاء نے بیان کر رکھی ہے اور نہ ہی اسے اصول فقہ کا صحیح فہم اور ادراک حاصل ہے۔ اصول فقہ میں قواعد لغویہ عربیہ کی بحث موجود ہیں، قواعد عامہ متفق علیہ اور مختلف فیہ مصادر شریعت کا ذکر ہے، قواعد فقہیہ کا بیان ہے، مقاصد شریعت کا تذکرہ ہے، لیکن اصول فقہ کی چودہ سو سالہ تاریخ میں کہیں بھی صوفیاء کے علم اعتبار یا تفسیر اشاری کے بیان کی جھلک ملتی ہے کیا۔ اصول تفسیر یا علوم قرآن کی کتابوں میں اگر اس کا بیان آیا بھی ہے تو بھی اکثر وبیشتر مذمت کے لیے یا اس میں فرق کرنے کے لیے کہ ایک اشارۃ النص ہے کہ جس کا استعمال ہمیں صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاں ملتا ہے جیسا کہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے سورۃ النصر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کا معنی نکال لیا۔ یہ معنی ظاہر نص میں موجود نہ بھی ہو لیکن اس سورت کے کل معانی یا سیاق وسباق کے نظام کے خلاف نہیں ہے اور نہ صرف متن کے اندرونی نظام سے حد درجہ مطابقت رکھتا ہے بلکہ اس خارجی ماحول سے بھی اس کی تائید ہو رہی ہے کہ جس میں قرآن مجید نازل ہو رہا ہے اور وہ ماحول قرآن مجید کے ان آیات کے معانی ومفاہیم کے لیے شاہدین کا درجہ حاصل کیے ہوئے ہے۔ اس کو اگر کوئی تفسیر اشاری کہہ دے تو اس میں حرج نہیں ہے کہ ایسی نکتہ رسی کو قرآن مجید نے تدبر قرآن

کا نام دیا ہے اور اس کی ترغیب دلائی ہے۔ لیکن جو کچھ صوفیاء تفسیر اشاری کے نام پر بیان کر گئے ہیں تو وہ قرآن مجید کے ایک سنجیدہ قاری کو نکتہ رسی تو کجا لطیفے معلوم ہوتے ہیں، بالکل ویسے ہی لطیفے جو سر سید، پرویز اور غلام احمد قادیانی کی تفسیروں میں نظر آتے ہیں۔

حسن عسکری صاحب گمراہی نمبر 109 کے تحت لکھتے ہیں کہ ہر معاملے میں تحریری ثبوت مانگنا اور دین کی جو باتیں زبانی روایت کے ذریعے قائم ہیں، انھیں نہ ماننا اور اس اصول کی اہمیت نہ سمجھنا بھی گمراہی ہی ہے۔ اسی طرح گمراہی نمبر 140 میں لکھتے ہیں کہ روایتی چیزوں کو داستان کہنا بھی ایک گمراہی ہی ہے۔ پھر لکھتے ہیں کہ تجدد پسند کی نشانی یہ ہے کہ وہ امام کی سند تسلیم نہیں کرتا بلکہ قرآن شریف کا ثبوت مانگتا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، یہ ان کے بہترین کی حالت ہے اور اس مستزاد یہ کہ اس سب کچھ کو دین سمجھ رکھا ہے۔ تو جیسا کہ میں نے کہا کہ یہ لوگ روایت کی اصلاح کے قائل نہیں ہیں بلکہ اسے ایک بت بنا کر اس کی پوجا کے قائل ہیں کہ جس کے وہ فقہاء بھی قائل نہیں تھے کہ جن کی طرف یہ اپنی نسبت کرتے ہیں یا رکھتے ہیں۔ تو فقہ کی روایت میں انہوں نے حتی درجہ جمود اختیار کیا حالانکہ اس کا تعلق عمل سے تھا اور اس میں اجتہادی رویہ اختیار کرنے کی ضرورت تھی لیکن کلام اور تصوف کی روایت میں یہ اجتہاد تو کیا الحاد کے درجے میں فائز ہو گئے حالانکہ یہاں انہیں چاہیے تھا کہ اپنے ائمہ دین کی تقلید کرتے کیونکہ یہ عقیدہ کا مسئلہ تھا۔ اور عقیدہ میں نسبت جتنی قدیم اور پرانی ہو، اتنی ہی بڑی ہوتی ہے۔

تو روایت میں جہاں تقلید کی ضرورت تھی، وہاں یہ اجتہاد کرنے بیٹھ گئے اور جہاں اجتہاد کی ضرورت تھی، وہاں تقلید شروع کر دی۔ اور اب بیٹھ کر اہل حدیثوں پر فتوے لگاتے ہیں کہ وہ جدیدیت پسند ہیں اور ہم روایت پسند ہیں کیونکہ اہل حدیث فقہ میں یعنی عملی مسائل میں اجتہاد کی بات کرتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ اہل حدیث کلام اور تصوف کی روایات میں کہ جن کا تعلق فکر اسلامی اور عقیدے سے ہے، انہیں ائمہ اربعہ کی تقلید کی دعوت دیتے ہیں اور یہ لوگ اس سے رسیاں تڑا کر بھاگتے ہیں۔ اور کلام و تصوف میں فقہاء کے روایتی منہج کے مقابلے میں اپنے صوفیاء کے الحادی منہج کو تاویلوں کے ذریعے اسی طرح درست ثابت کرنے کی کوشش کرتے

ہیں جیسا کہ لاہوری گروپ، وحید الدین خان اور غامدی صاحب نے غلام احمد قادیانی کی عبارتوں کی تاویلیں کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ اس نے نبوت کا دعوی نہیں کیا تھا۔ تو جو لوگ خود کلام اور تصوف میں فقہاء کی روایت پر نہیں ہیں، وہ کہاں سے روایت پسند ہو گئے!

اب یہ کہنا کہ کلام وتصوف، فقہاء کا میدان نہیں تھا لہٰذا اس میدان میں ان کی رائے معتبر نہیں ہے تو پھر ہمارا فرق اصولی فرق ہے۔ ہم دونوں کا فریم آف ریفرنس فرق ہے۔ تو ہم تو روایت کے ہر مسئلے میں فقہاء کے فہم کی ترجیح کے قائل ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے علماء کو انبیاء کا وارث کہا ہے نہ کہ متکلمین اور صوفیاء کو۔ تو فقہ کی روایت ہو یا کلام کی یا تصوف کی، تینوں کے بارے اگر صحیح دینی نقطہ نظر معلوم کرنا ہو تو اس کے لیے فقہاء کے منہج فہم کی عینک لگانی ہو گی۔ اور فقہاء سے ہماری مراد متقدمین فقہاء ہیں کہ جنہوں نے فقہی مذاہب کی بنیادیں رکھی ہیں، بعد والے تو ان کے مقلدین ہیں، اگرچہ ان کے ساتھ بھی سابقہ فقہاء کا ہی لگا ہوا ہے۔ تو سلف صالحین کے فہم کی طرف رجوع کرنا یہی اصل میں روایت ہے۔ اور سلف صالحین سے مراد صحابہ، تابعین، تبع تابعین، فقہاء کرام اور محدثین عظام ہیں جو پہلی تین صدیوں میں دین اسلام کی تعبیر اور تشریح سے مکمل طور فارغ ہو چکے تھے۔ تو اگر تو فہم دین میں روایت کا تحفظ اور فروغ چاہتے ہو تو پھر وہاں سے کوئی قول یا فہم لے کر آؤ۔ اور فقہ کی روایت میں بھی ہم فقہاء کے مقابلے میں کسی نئی روایت کے لانے کے قائل نہیں ہیں اور یہی اہل حدیث کا اسٹینڈرڈ موقف ہے کہ جس کی تفصیل ہمارے کتابچے "روایت اور جدیدیت" میں موجود ہے۔

پھر حسن عسکری صاحب سے وابستہ اس جدید حلقے کی یہ روایت پرستی دراصل جدیدیت کا رد عمل ہے اور کچھ نہیں۔ اس کی علمی بنیاد کیا ہے، کچھ نہیں۔ اتنا کہنا ہی کافی ہے کہ اس آباء پرستی ہی کی مخالفت سے تو سارا قرآن مجید بھرا پڑا ہے کہ جس کا نام انہوں نے روایت پسندی رکھ چھوڑا ہے۔ روایت پرستی ہمارے نزدیک جدیدیت یعنی جاہلیت جدیدہ کے تنور سے لوگوں کو نکال کر جاہلیت قدیمہ کی بھٹی میں جھونکنا ہے۔ مطلب انہیں چہار سو سے جدیدیت کی یلغار کا حل یہ نظر آتا ہے کہ نیوٹن کو گالیاں دے کر ابن عربی کی گود میں بیٹھ جاؤ۔ اور یہ میں لفظاً نہیں کہہ رہا، یہ چیز

ان کی تحریروں سے با قاعدہ دکھائی جاسکتی ہے۔اس لیے یہ ہر اس شخص کے ناقد ہیں جو دین میں عقل کے استعمال کا قائل ہے، چاہے اہل حدیث ہو یا حنفی، مالکی، حنبلی ہو یا شافعی۔ عقل کے استعمال کا حق صرف اگلوں کو تھا، اور وہ کر چکے ہیں۔ رہا پچھلوں کے لیے اس کا استعمال تو یہ ایک گمراہی ہے۔

مطلب اہل حدیث کے تو یہ ویسے ہی خلاف ہیں کہ انہیں یہ عیسائیوں کے فرقے پروٹسٹنٹ سے کم نہیں جانتے لیکن ان حنفی اور شافعی علماء کے بھی خلاف ہیں جو اجتہاد کا دروازہ بند نہیں سمجھتے اور آج کے دور میں بھی اجتہاد کے قائل ہیں۔ اب سمجھ آئی کہ یہ حنفی اور شافعی علماء میں سے زاہد الراشدی صاحب اور تقی عثمانی صاحب، شیخ یوسف قرضاوی اور شیخ وہبہ الزحیلی جیسے علماء کے خلاف ہی اتنا کیوں لکھتے بولتے ہیں کہ وہ دین کے معاملے میں دماغ استعمال کرنے کی دعوت کیوں دیتے ہیں۔ جناب جاوید اکبر انصاری صاحب لکھتے ہیں: "ہم اس اجتہاد کی کوشش کریں جس کے نتیجے میں تقلید عام ہو...اجتہاد سے مراد تقلید کو عام کرنا...چنانچہ جس اجتہاد کی ہمیں ضرورت ہے، وہ ایسا اجتہاد ہے جو دائرہ علم اسلامی کے ماتحت ہو، ایسا اجتہاد جو تقلید کو ممکن بنا سکے۔" ان کے بقول اجتہاد کے دو مقاصد ہیں؛ اتباع سنت اور تقلید اولیاء۔ مطلب پہلا تو سمجھ میں آیا، یہ تقلید اولیاء کیا اصطلاح ہے؟ اور یہ اصطلاح اس حلقے کے سب رائٹرز میں عام ہے۔ کیا فقہاء مر گئے جو امت کو صوفیاء کی تقلید کی ضرورت پڑ گئی ہے۔ مر تو وہ گئے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں لیکن ہم علمی موت کی بات کر رہے ہیں۔

اب تاویل کے ماسٹرز اس کی یہ تاویل کریں گے کہ ہماری مراد فقہاء میں سے اولیاء ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ جن صوفیاء کی پیروی کی تم دعوت دیتے ہو جیسا شیخ ابن عربی وغیرہ تو اول تو وہ فقہاء نہیں ہیں۔ نہ تو ان کا فقہاء کے طور تعارف ہے اور نہ ہی فقہاء کے کام اور روایت میں ان کا کوئی علمی و تحقیقی حصہ ہے۔ دوسرا یہ کہ فقہاء کی تقلید سے مراد متقدمین فقہاء ہوتے ہیں، اور یہ اہل علم کے ہاں معروف ہے۔ اور متقدمین فقہاء میں سے کتنے ہیں جنہوں نے اس نظری، وجودی اور کلامی تصوف کی حمایت میں لکھا ہے کہ جسے نہ صرف روایت کے نام پر تم نے سینے سے لگا رکھا

ہے بلکہ اسے مغربی فکر و فلسفہ کا کافی وشافی جواب بھی سمجھتے ہو۔

اسی طرح جاوید اکبر انصاری صاحب لکھتے ہیں: "دوسرا کام اسلامی علوم میں بالخصوص فقہ، کلام اور اصول الدین میں وہ توسیع پیدا کریں جو ہمارے لیے تقلیدی اجتہاد، اجتماع امت کی بنیاد پر اتباع سنت اور اتباع اولیاء اللہ ممکن بنا سکے۔" اب یہ "تقلیدی اجتہاد" کیا خوب اصطلاح نکالی ہے! یعنی دین میں دماغ استعمال کرنے کی بالکل اجازت نہیں ہے، ہاں ایک کام کے لیے دماغ استعمال کر سکتے ہو کہ اس کی دلیل لا دو کہ تمہارے لیے اپنا دماغ استعمال کرنا مفید نہیں ہے۔ پھر اتباع فقہاء کی جگہ اتباع اولیاء کیسی کیسی اصطلاحات پیدا ہو رہی ہیں! اور اگلی نسل اتباع اولیاء سے "اتباع مجذوبین اور ملنگاں" تک بھی پہنچ جائے گی۔ اور کیسے سنت اور صوفیاء کی اتباع کو ایک ہی قطار میں شمار کر دیا! بس یہی روایت پسندی اور روایت پرستی میں فرق ہے۔ ہم روایت پسند ضرور ہیں، روایت پرست نہیں۔ تو یہ لوگ جدیدیت کا کیا خاک مقابلہ کریں گے! جہاں دماغ بند کر دینا اصل الاصول (The Prime Principle) ہے۔

سائنس کیا ہے؟

سائنس پر ہماری حالیہ تحریروں سے بہت سے بتوں پر ضرب لگی ہے، تو لوگ چیں بجبیں ہیں اور یہ اعتراض کر رہے ہیں کہ آپ کو کیا معلوم کہ سائنس کسے کہتے ہیں؟ اور معترض خود تو جیسے کسی یونیورسٹی میں نیوٹن یا اسٹیفن ہاکنگ کی چیئر پر بیٹھے ہوں! بھئی خود آپ کی سائنس میں کیا اتھارٹی ہے؟ کہ سائنس کو جو آپ نے ڈیفائن کیا ہے، وہی ہے، اور کچھ نہیں۔ آج تک مسلم اپسٹیمالوجی میں علم کی تعریف متعین نہ ہو سکی کہ 55 تعریفیں کر دی گئی ہیں تو سائنس کی تعریف پر کیا خاک اتفاق ہو گا! اور دل لگتی بات یہی ہے کہ مغرب کے پھرے ہوئے دماغوں کو نقل کرنے کی بجائے ان کے ہاں سائنس کے بارے جو معروف اور رائج تصورات ہیں، ان سے یہ سمجھو کہ ماڈرن سائنس کیا ہے؟ تو شاید کچھ فائدہ ہو جائے کیونکہ وہ الفاظ کہ جن کا مفہوم بدیہی درجہ اختیار کر جائے تو اس میں عرف کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہوتا ہے۔

مسلمانوں میں سائنس دشمن طبقہ دراصل خوف کی نفسیات کا شکار ہے اور اسی نفسیات کے

سائے تلے انہیں ہر چیز میں سازشی تھیوری نظر آتی ہے۔ مجھے ایک طالب علم کہنے لگا کہ سر کوکا کولا کی بوتل کو اگلا الٹا کر کے پڑھیں تو "لامکہ لا محمد" بنتا ہے۔ میں نے کہا کہ تم مسلمانوں کو ہر چیز الٹی کر کے دیکھنے کی عادت ہے ہی کیوں؟ بھئی بنانے والے نے اسے سیدھا بنایا ہے تو بس اس کو سیدھا دیکھو، الٹا ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ تو اگر آپ الٹے ہو کر دیکھنا شروع کر دیں تو آپ کو سائنس دشمن مکتب فکر کی سائنس کے بارے خرافات واقعتاً میں حقیقت نظر آئیں گی۔ لیکن جیسے ہی آپ سیدھے ہوں گے اور اپنی پوزیشن درست کریں گے تو ان کی وہ حقیقت غائب ہو چکی ہو گی۔ تو ہم اپنی پوزیشن الٹی کر کے ہی کیوں اپنے مخالف کو سمجھنا چاہتے ہیں۔

افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ حسن عسکری صاحب نے سائنس کے حوالے سے جو کچھ لکھا ہے، وہ ایک انتہائی فاضل آدمی کی طرف سے سطحیت کا ایسا ماسٹر پیس ہے کہ شاید ہی اس کی کوئی نظیر موجود ہو۔ میں یہ نہیں کہتا کہ حسن عسکری قابل آدمی نہیں ہیں، بہت قابل آدمی ہیں، اور میں لٹریچر میں ان کی خدمات کا دل وجان سے معترف ہوں۔ میں نے مجموعہ حسن عسکری پڑھا ہے، میں نے اس سے بہت کچھ سیکھا ہے، اللہ عزوجل انہیں اس سب کچھ پر جزائے خیر عطا فرمائے۔ لیکن انسان اپنے دماغ کو بند نہیں کر سکتے کہ ہر بڑے شخص کی ہر رائے کی جگالی کر جائیں۔ تو میں یہ بھی نہیں کہتا کہ سائنس اور مذہب ان کا میدان نہیں تھا لہٰذا انہیں اس بارے خامہ فرسائی نہیں کرنی چاہیے۔ بھئی اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ آپ کا میدان ہے یا نہیں، بس محنت کر کے تو لکھیں ناں، اور نظر آئے کہ آپ نے محنت کی ہے اور چیزوں پر آپ کی نظر گہری ہے۔ جب آپ گلیلیو اور نیوٹن کی سائنس کو آج کی ماڈرن سائنس کی وجہ بنا کر دونوں کو ایک ساتھ رگید رہے ہوں گے تو کون آپ کو سنجیدہ رائٹر سمجھے گا حالانکہ ماڈرن سائنس کا ابا جی، نیوٹن تو خود یہ کہہ رہا ہے کہ میں محض خدا کو نہیں، بائبل کے خدا کو مانتا ہوں اور روزانہ بائبل کی تلاوت بھی کرتا ہوں۔ تو اس کا تو سائنس نے کچھ نہیں بگاڑا۔ اور گلیلیو نے بھی آکسفورڈ میں جو لیکچر دیا تھا تو اس نے وہاں یہ نہیں کہا تھا کہ میں خدا کو نہیں مانتا، اس نے البتہ یہ بات ضرور کہی تھی کہ سائنس کے مطالعے سے مجھے یہ معلوم ہوا کہ پادریوں کا خدا بہت چھوٹا ہے اور کائنات کا خدا بہت بڑا ہے اور

اس بات پر پادریوں نے اس پر پتھر برسائے تھے۔ تو اس کی تنقید پادریوں کے خدا پر تھی۔

تو اصل میں روایت پرست اس خوف میں بھی مبتلا ہے کہ سائنس کے مطالعے سے ان کی متصوفانہ اور کلامی روایت میں موجود خدا کے بارے جھوٹے تصورات پر زد پڑے گی۔ اب سائنس کا ایک سنجیدہ طالب علم وحدت الوجود کے ابن عربی کے تصور کو بکواس نہیں کہے گا تو اور کیا کہے گا؟ تو جدیدیت کے رد میں حسن عسکری صاحب کی یہ سب محنت کتاب وسنت کے خدا کے دفاع کے لیے نہیں ہو رہی بلکہ اس خدا کے دفاع کے لیے ہو رہی ہے جو "وجود مطلق" ہے اور یہ بات ان کی تحریروں میں لفظوں میں موجود ہے۔ اور صاف نظر آتا ہے کہ وہ ابن عربی کے خدا کے دفاع میں لگے ہوئے ہیں نہ کہ محمد رسول اللہ ﷺ اور قرآن مجید کے خدا کا دفاع ان کا مقصود ہے۔ کیا محمد رسول اللہ ﷺ اور قرآن مجید نے خدا کا تعارف "وجود مطلق" سے کروایا ہے؟ کبھی قرآن مجید سے خدا کا تعارف تو نکال کر تو دیکھیں۔ لیکن کیا کہیے کہ حسن عسکری صاحب نے اسے گمراہی گنوا دیا ہے کہ امام کی بات کے مقابلے میں قرآن مجید کی دلیل مانگنا گمراہوں کا کام ہے۔ لیکن یہ اگر اپنے من گھڑت امام یعنی شیخ ابن عربی کے مقابلے میں امت کے ایک بڑے طبقے کے امام یعنی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی طرف ہی کچھ رجوع کر لیتے تو انہیں واضح ہو جاتا ہے کہ فصوص الحکم کے خدا اور فقہ اکبر کے خدا میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

باقی مجھے یہ کہتے ہیں کہ مجھے تقلید سے چڑ ہے تو میں یہ کہوں گا کہ اجتہاد و تقلید پر میری مستقل بحثیں موجود ہیں، وہ پڑھنے کی زحمت کر لیں۔ آپ کو جو یہ نظر آتا ہے کہ میں آپ کو اوپر سے دیکھ رہا ہوں تو اس کی وجہ یہی ہے کہ میرے اور آپ کے ڈائیلاگ کے انداز میں یہی فرق ہے کہ میں جب آپ سے بات کر رہا ہوتا ہوں تو آپ کی کتابیں میرے سامنے اسکرین پر کھلی ہوتی ہیں۔ اور آپ جب مجھ سے بحث کر رہے ہوتے تو مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ آپ کو یہ بھی نہیں معلوم کہ میری اس موضوع پر ایک کتاب پبلش ہو چکی ہے۔ اور آپ ایک ایسی بات کی میری طرف نسبت کر رہے ہیں جس کا میں مستقل طور رد کر چکا ہوتا ہوں۔ اور جب میں آپ کے اس رویے کی طرف توجہ دلاتا ہوں تو آپ کو محسوس ہوتا ہے کہ جیسے میں آپ کو علمی طور اپنے سے نیچے سمجھ رہا ہوں

۔تو بھئی خلاصہ یہ ہے کہ محنت کریں، پھر بحث کریں، ہم تحسین کی نظر سے دیکھیں گے۔ تو تقلید اور اجتہاد کے بارے میں اپنے پی۔ایچ۔ڈی کے مقالے میں مستقل بحث کر چکا کہ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عوام کے لیے اتباع ضروری ہے یعنی علماء کی اتباع کرنا، ان علماء کی کہ جن کے تقویٰ اور علمی صلاحیت پر ان کو اعتماد ہو۔ اور علماء کے لیے دو طرح کا اجتہاد لازم ہے؛ انشائی اجتہاد یعنی نیا اجتہاد جو جدید مسائل میں ہو اور ترجیحی اجتہاد جو قدیم مسائل میں ترجیح قائم کرنے کے لیے ہو گا یعنی ایسے فقہاء پیدا کرنا کہ جنہیں فقہ حنفی میں اصحاب ترجیح کہتے ہیں۔ بس فرق صرف اتنا ہے کہ وہ اپنی ہی فقہ کے متنوع روایتوں میں ترجیح کا کام کرتے ہیں جبکہ یہ فقہاء تمام فقہی روایتوں کو دین اسلام کے ایک ہی درخت کی متنوع شاخیں تصور کرتے ہوئے ان میں ترجیح کا کام کریں گے۔

تو گلیلیو کی طرح جب کوئی روایت پرستوں کے تصور خدا پر نقد کرے گا جیسا کہ اس نے پادریوں کے تصور خدا پر نقد کی تھی تو روایت پرست کے پاس کوئی جواب نہیں ہو گا سوائے اس الزام تراشی کے کہ یہ خدا پر نقد ہو رہی ہے۔ البتہ انصاری مکتب فکر کے بعض لوگوں نے ارسطو کی سائنس، کلاسیکل سائنس، مسلم سائنس، اسکالسٹک سائنس اور ماڈرن سائنس میں فرق کیا ہے اور یہ بات کی ہے کہ سائنس سے ہماری مراد صرف ماڈرن سائنس ہے۔ چلیں، یہ پھر کوئی ایسا بیانیہ ہے کہ محسوس ہوتا ہے کہ بندے نے محنت کی ہے، اس نے چیزوں کو سمجھا ہے، اور ایک ایسی معقول بات کی ہے کہ جس پر مزید بات ہو سکے لیکن یہ بیانیہ حسن عسکری صاحب کا نہیں ہے بلکہ ظفر اقبال صاحب کا ہے۔ تو اس پر اب ہمارا کہنا یہ ہے کہ اس وقت دنیا میں جو سائنس رائج ہے، وہ اسکالسٹک سائنس ہے البتہ ہم اس سائنس کہ جسے آپ ماڈرن سائنس کا نام دیتے ہیں، کے وجود کے انکاری نہیں ہیں۔

مجھے گریجویشن تک سائنس پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ میں نے کیلکولیس پڑھی ہے، میتھیمیٹیکل میتھڈز پڑھا ہے، مکینکس پڑھی ہے، ویکٹرز پڑھا ہے، لیکن کہیں بھی مجھے وہ ماڈرن سائنس نظر نہیں آئی جس کا آپ ذکر کرتے ہیں۔ پھر میں ایک یونیورسٹی میں سات سال سے ہوں، سائنس کی فیکلٹی کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہوں، بحث کرتا ہوں، مجھے ان میں سے بہت

سے سائنس کے پروفیسرز اور اساتذہ اپنے سے زیادہ صاحب ایمان نظر آتے ہیں اور ماڈرن سائنس نے جیسے ان کا کچھ بھی نہیں بگاڑا ہے۔ بھئی اس میں کچھ بگاڑنے والا ہے ہی نہیں تو وہ کیا بگاڑے گی بلکہ اکثر کو تو وہ خدا کے قریب کر دیتی ہے۔ البتہ سائنس پڑھ کر جو دین سے دور ہو جاتے ہیں تو وہ ملحد اساتذہ کے نظریات اور محنت سے ہوتے ہیں۔ اور یہ بات درست ہے کہ ملحدین نے سائنس کو الحاد پھیلانے کے لیے ایک ہتھیار کے طور استعمال کیا ہے۔ ہمارے ایک دوست جو لندن سے کمپیوٹر سائنس میں پی۔ ایچ۔ ڈی کر رہے تھے، انہوں نے بتلایا کہ ان کے پروفیسر صاحب کمپیوٹر سائنس کی کلاس میں خدا اور مذہب کو رگیدنا اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے اور یہ رویہ عام ہے۔

لیکن کیا کمپیوٹر سائنس کی سائنس کا یہ لازمہ ہے کہ وہ آپ کو خدا اور مذہب مخالف بنا دیتا ہے تو ایسا بالکل نہیں ہے۔ میری یونیورسٹی میں لندن ہی سے کمپیوٹر سائنس میں پی۔ ایچ۔ ڈی کرنے والے ایسے تبلیغی جماعت یا تحریکی ذہن کے پروفیسرز موجود ہیں جو کمپیوٹر سائنس کی کلاس میں پانچ دس منٹس خدا اور مذہب سے تعلق پر لگاتے ہیں۔ اور وہ بچے چونکہ مجھ سے اسلامیات بھی پڑھتے ہیں، تو میں نے غور کیا کہ وہ کمپیوٹر سائنس کے ایک پروفیسر کی ذرا سی محنت سے بہت اچھے دین کو پریکٹس کرنے والے بن جاتے ہیں۔ تو کمپیوٹر سائنس پڑھنے والا بچہ جو ملحد بن رہا ہے یا پریکٹسنگ مسلم بن رہا ہے، اس کا تعلق کمپیوٹر سائنس سے نہیں بلکہ اس کے پڑھانے والے سے ہے، یہی بات ہم کرنا چاہ رہے ہیں۔ استاذ اگر گمراہ ہو گا مثلاً مستشرق (orientalist) تو قرآن بھی پڑھائے گا تو طلباء گمراہ ہی ہوں گے، اب اس میں قرآن مجید پر نقد کرنے کا کیا فائدہ۔ مسئلے کی اصل جڑ تک پہنچیں۔

اگر تمہارے بقول ماڈرن سائنس وہی ہے جو تم کہتے ہو تو آج سائنس پڑھنے والا بچہ، مدرسہ میں پڑھنے والے بچے سے زیادہ پریکٹسنگ نہ ہوتا! اور میں اس کی سینکڑوں مثالیں بیان کر سکتا ہوں۔ البتہ سائنس میں بھی کچھ مسئلہ ہے جیسے ارتقاء کی تھیوری کو بیالوجی کا حصہ بنا دیا گیا لیکن بیالوجی یا فزکس وغیرہ کو کوئی خالص سائنس (pure science) نہیں سمجھتا ہے۔ خالص سائنس صرف ایک ہی ہے، اور وہ ریاضی ہے۔ تو محض ریاضی پڑھنے سے کتنے ملحد پیدا ہو رہے

ہیں، اس کا ڈیٹا نکال لیں۔ باقی سائنسز میں فلاسفی آف سائنس بھی کسی حد تک شامل نصاب ہو گئی ہے، یہ بات درست ہے۔ اس میں کرنے کا کام یہ ہے کہ بس استاذ یہ فرق بتلا دے کہ یہ فلاسفی آف سائنس ہے اور یہ پیور سائنس ہے۔ اور ریاضی یا خالص سائنس کیا ہے، قوانین فطرت کا مطالعہ (study of physical laws) ہے، بس۔ اور ان قوانین کی تطبیق (application) کا نام ٹیکنالوجی ہے۔ باقی اس کا استعمال ہے، جو صحیح بھی ہو سکتا ہے اور غلط بھی۔ باقی تمہارے پاس جتنی دلیلیں ہیں کہ سائنس یہ ہے، وہ ہے، وہ سب پیور سائنس کے بارے نہیں ہیں، فلاسفی آف سائنس کے بارے ہیں کہ جسے آپ ماڈرن سائنس کا نام دیتے ہیں۔

آکسفورڈ ڈکشنری والے نے سائنس کی تعریف یوں کی ہے کہ سائنس مادی دنیا کی ساخت اور رویے کا مشاہدے یا تجربے کے ذریعے سے منظّم مطالعے کا نام ہے۔ تو آپ کو کیمبرج کی تعریف میں مسئلہ نظر آتا ہے کہ اس نے "ڈویلپمینٹ آف تھیوریز" کو بھی سائنس کا جزو بنا دیا ہے تو آپ آکسفورڈ کی تعریف لے لیں۔ اور اگر آپ کو دونوں سے اختلاف ہے تو جب آپ مان رہے ہیں کہ مسلم سائنس اور کلاسیکل سائنس کا وہ مسئلہ نہیں ہے جو ماڈرن سائنس کا ہے تو آپ ماڈرن سائنس کی وہ تعریف کریں جو کلاسیکل اور مسلم پیریڈ میں سائنس کی تعریف کی جاتی رہی ہے۔ آپ ہتھیار کیوں ڈالتے ہیں کہ سب کچھ ان کے حوالے کر دیں۔ لیس جی، سائنس بھی آپ کی اور اس پر اجارہ داری بھی آپ کی۔ آپ جہاں وہ غلطی کر رہے ہیں، اس غلطی کو واضح کر دیں اور سائنس کا صحیح تصور پیش کر دیں۔

اور آپ کے پاس کیا سائنس کے تھوڑے پروفیسر یا پی۔ایچ۔ڈیز ہیں جو آپ ان کی تعبیر کے محتاج ہیں؟ کب تک دفاعی پوزیشن میں رہیں گے کہ جس چیز پر اعتراض ہو، بس اسے چھوڑ دو، یہی مسئلے کا حل ہے۔ بھلا دنیا میں اس طرح سے کوئی مقابلہ کیا جاتا ہے کہ سب کچھ پر دشمن کا حق مان کر میدان ہی چھوڑ کر بھاگ جائیں اور اسی کا نام جرات اور بہادری رکھ لیں۔ یہ کائنات خدا کی بنائی ہو، میرے خدا کی۔ اور یہ فزیکل لاز جن کے تحت یہ چل رہی ہے، وہ بھی خدا کے بنائے ہوئے ہیں، میرے خدا کے۔ میں اس سے متعلقہ علوم پر تمہاری اجارہ داری کیسے تسلیم کر لوں؟

کبھی نہیں کروں گا۔ یہ ہر بندہ مومن کا ایمان ہونا چاہیے۔

کیا الحاد اور فساد کی وجہ سائنس ہے؟

سائنس دشمنوں کی سائنس کے خلاف ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ سائنس الحاد تک پہنچاتی ہے لہٰذا یہ گمراہی اور فتنہ ہے۔ پہلے بھی یہ عرض کیا ہے کہ یہ دعوی مشاہدے کے خلاف ہے کہ ماڈرن سائنس الحاد تک پہنچاتی ہے۔ سائنسز میں پی۔ایچ۔ڈی پروفیسرز اور بی۔ایس، ایم۔ایس اور پی۔ایچ۔ڈی کرنے والے طلباء کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جو نہ صرف ایمان اور تقوی کے ایک لیول پر ہیں بلکہ ان کی ایک خاصی بڑی تعداد سائنس کو مذہب کی ترویج کے لیے ایک ذریعے کے طور بھی استعمال کر رہی ہے یا کرتی رہی ہے جیسا کہ معروف مسلم اسکالرز اور مفکرین میں سے ہارون یحی، ڈاکٹر ذاکر نائیک، مولانا مودودی اور ڈاکٹر اسرار احمد وغیرہ نے سائنس کو مذہب کا مقدمہ مضبوط کرنے کے لیے ایک بنیاد بنایا ہے۔ ہارون یحی کا کام خاص طور "دی اٹلس آف کری ئیشن" تو ایسا ہے کہ جس کے اثرات دیکھ کر رچرڈ ڈاکنز جیسے بھی اسے جواب دینے سے خاموش نہ رہ پائے۔

پھر نوع انسانی کی ایک پوری تاریخ ہے، قرآن مجید نے اس تاریخ پر جابجا تبصرہ کیا ہے، قوموں کے عروج وزوال کے اسباب وعلل بیان کیے ہیں۔ اب قوم نوح کیا سائنس کی وجہ سے گمراہ ہوئی تھی؟ قوم عاد کی گمراہی کی وجہ سائنس تھی کیا؟ قوم ثمود پر عذاب سائنس کی وجہ آیا؟ قوم ابراہیم نے خلیل اللہ کو اس لیے جھٹلا دیا تھا کہ انہوں نے سائنس پڑھ لی تھی؟ قوم لوط پر عذاب نازل ہونے کی وجہ سائنس تھی؟ آل فرعون کی گمراہی سائنس کی بنیاد پر تھی کیا؟ مطلب اس سے پہلے تو جیسے تاریخ انسانی میں کوئی قوم گمراہ اور نافرمان ہوئی ہی نہیں۔ یہ کفر وضلالت جیسے حضرت انسان تاریخ انسانی میں پہلی مرتبہ سائنس کی وجہ سے دیکھ رہا ہے۔ کیا بات کر رہے ہو بھائی! قرآن مجید کی نظر میں قوموں کی گمراہی کے دو بڑے اسباب تھے؛ آباء واجداد کی تقلید اور خواہش نفس کی پیروی۔ پہلی کے تو یہ سائنس دشمن خود داعی ہیں اور دوسری کا سائنس کو الزام دیتے ہیں۔

تو قرآن مجید کی نظر میں گمراہی کا سبب تلاش کرنا ہے تو وہ روایت پرستی ہے جیسا کہ ارشاد

باری تعالی ہے: ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ﴾۔ اگر روایت پرستی، آباء پرستی نہیں ہے تو پھر آباء پرستی کیا ہے؟ اور اگر یہ کہنا آباء پرستی نہیں ہے کہ امام کی سند کے مقابلے میں قرآن شریف سے دلیل مانگنا گمراہی ہے تو آباء پرستی اور کس کا نام ہے؟ دوسرا سائنس دشمنی میں یہ جو مقدمہ قائم کیا گیا ہے کہ ٹیکنو سائنس نے ایک ایسی دنیا پیدا کر دی ہے کہ جس میں آسائش ہی آسائش ہے اور اس آسائش نے انسان کو دین سے دور اور دین بیزار کر دیا ہے تو یہ مقدمہ اصولی طور غلط ہے کہ ہمارے دین نے آسائش کو ناپسند کیا ہے اور فقر کو پسند کیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَذَلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ﴾

اگر آسائش دین میں اتنی ہی ناپسندیدہ ہوتی یا دین سے دور کرنے والی ہوتی تو قرآن مجید میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے عالیشان محلات یا نظروں کو خیرہ کرنے والے لائف اسٹائل کا تذکرہ ایک نعمت کے طور نہ ہوتا۔ تو اصل میں اللہ عزوجل نے انسان کو آزمایا ہے، کبھی آسائش سے تو کبھی آزمائش سے۔ ایک شخص آسائش میں شکر گزار بندہ ہے تو وہ اس سے بہتر ہے جو آزمائش میں صبر نہیں کر پایا۔ تو امیر ہونا کوئی برائی نہیں ہے اور نہ ہی فقیر ہونا کوئی قابل فخر بات ہے، بس انسان جس حال میں بھی ہو، اس حال میں اللہ کا جو اس سے تقاضا ہے، وہ پورا کر رہا ہو یعنی شکر یا صبر کر رہا ہو۔ تو اللہ عزوجل کے نظام آزمائش کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اس نے کبھی دولت دے کر آزمایا ہے اور کبھی لے کر۔ اور یہ کہتے ہیں کہ دولت کا حاصل کرنا ہی فساد کی جڑ ہے لہٰذا اسے حاصل کرنا ہی نہیں چاہیے جبکہ ہمیں اس بیانیے سے شدید اختلاف ہے۔ اہل ایمان کے لیے دولت کا حاصل کرنا بلکہ اختیار کا حاصل کرنا واجب کے درجے میں ہے جبکہ وہ یہ سمجھتے ہوں کہ دین کا غلبہ اس دولت اور اختیار کے ساتھ ہی ممکن ہے جیسا کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔ سیاست شرعیہ کے باب میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی ابحاث پڑھنے سے لائق ہیں، خاص طور اس تحریکی ذہن کے لیے کہ جو زندگی کے تمام گوشوں میں دین اسلام کو غالب کرنے کا جذبہ رکھتا

ہے۔ تو آج کی دنیا میں دین کو اگر ہم نے غالب کرنا ہے تو سائنس اور ٹیکنالوجی میں غلبہ حاصل کیے بغیر ممکن نہیں ہے لہٰذا اس کی تعلیم فرض کا درجہ رکھتی ہے۔

پھر یہ کہ ان سائنس دشمنوں سے کوئی پوچھے کہ تمہارے بچے اسکولز میں وہی سائنس پڑھ رہے ہیں جو تمہارے نزدیک اس عالمی فساد کی اصل جڑ ہے تو انہیں مدرسہ میں کیوں نہیں ڈال دیتے؟ تو یہ خود اپنے بیانیے کے ساتھ مخلص نہیں ہیں یعنی اسے دل سے قبول نہیں کر پائے الا ما شاء اللہ۔ یہاں سائنس دشمنی میں کمنٹ کرنے والے جمیع مفکرین انہی اسکولز میں اپنے بچے ڈالیں گے جو وہی سائنس پڑھا رہے ہیں جسے یہ شر عظیم اور فساد کی جڑ کہہ رہے ہیں۔ اور ان یونیورسٹیز میں خود بھی پڑھیں گے اور کل کلاں کو پڑھائے گے بھی جو سائنس کو خیر سمجھنے کے بیانیے پر قائم ہیں اور اس طرح یہ حضرات اپنے ہی عمل سے اپنے بیانیے کی نفی کر رہے ہوتے ہیں اور ان کے بقول دلیل دوسرے کے پاس نہیں ہے۔ بھئی، دوسرے کو آپ کے خلاف دلیل دینے کی کیا ضرورت ہے، آپ کا اپنا عمل ہی کافی وشافی دلیل ہے کہ جس جہاد کی آپ دعوت دے رہے ہیں، بس اس کے لیے بچے دوسروں کے مروانا چاہتے ہیں، اپنے نہیں۔ اور نہ ہی خود اس کے لیے مرنا چاہتے ہیں۔ کارل مارکس اپنے نظریے میں غلط سہی لیکن اس کے لیے اس کی قربانیوں کا انکار کیا جا سکتا ہے کیا؟ یہ ہوتا ہے نظریے کا یقین۔ تو ان لوگوں کو خود اپنے نظریے کا یقین حاصل نہیں ہے تو دوسروں کو کیا خاک قائل کر پائیں گے۔ تو یہاں ان کے عمل پر تنقید نہیں بلکہ ان کے نظریے پر تنقید مقصود ہے، ان کے عمل کو دلیل بنا کر کہ ان کا نظریہ اتنا بودا ہے کہ یہ خود بھی تا حال اس کا یقین حاصل نہیں کر پائے ہیں۔ اور دوسروں کو اس کی دعوت دینے میں لگے ہیں کہ جس کا اپنے عمل سے انکار کر رہے ہیں۔

باقی مغرب میں جو الحاد اور ضلالت نظر آتی ہے، اس کی وجہ فلسفہ بنا ہے نہ کہ سائنس کہ یہ تو تاریخ فلسفہ کا ادنی سا طالب علم بھی جانتا ہے۔ اسی طرح کہا جا سکتا ہے کہ سوشل سائنسز یا کسی قدر فلاسفی آف سائنس، الحاد کے اسباب میں سے ہے اور ہمیں اس بیان سے اتفاق ہے۔ لیکن پیور سائنس، الحاد کا کوئی سبب ہے تو ایسا دعوی کوئی ایسا شخص ہی کر سکتا ہے جو سائنس سے واقف نہ

ہو۔ جو لوگ سائنس میں اتھارٹی ہیں، انہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ سائنس انہیں خدا اور مذہب کے قریب لانے کا ذریعہ بنی ہے۔ اب ایک میدان میں اتھارٹی کی بات قابل غور نہیں تو پھر کس کی ہے؟ ماڈرن سائنس کا بانی نیوٹن یہ لکھتا ہے کہ خدا کا انکار ایک حماقت ہے اور اگر کوئی بھی گواہی نہ ہوتی تو اکیلا انگوٹھا خدا کے وجود کی گواہی کے لیے کافی تھا۔ نیوٹن نے یہ بھی کہا ہے کہ میں بائبل کے خدا کو مانتا ہوں اور وہ وہی خدا ہے جو موسیٰ اور عیسیٰ کا خدا ہے، علیہما السلام۔

الیکٹرانکس کے بانی فیراڈے کا کہنا ہے کہ فطرت کی کتاب کہ جس کا ہم نے سائنس کے ذریعے مطالعہ کرنا ہے، وہ خدا کے ہاتھوں سے لکھی گئی ہے۔ مائیکرو بائیالوجی کے بانی لوئیس پاسچر کا کہنا ہے کہ سائنس کا مطالعہ انسان کو خدا کے قریب لے آتا ہے۔ اس کا کہنا یہ بھی ہے کہ تھوڑی سی سائنس کا مطالعہ تمہیں خدا سے دور لے جاتا ہے جبکہ اس کا گہرا مطالعہ تمہیں خدا کے نزدیک کر دیتا ہے۔ تھرموڈائنامکس کے بانی لارڈ کیلون کا کہنا ہے کہ اگر تمہاری سوچ پختہ ہو گی تو سائنس تمہیں خدا پر ایمان لانے پر مجبور کر دے گی۔ کوانٹم تھیوری کے بانی میکس پلانک کہتے ہیں کہ جس شخص کا بھی سائنس سے کسی قسم کا سنجیدہ واسطہ رہا ہو، وہ یہ محسوس کر سکتا ہے کہ سائنس کے معبد یعنی لیبارٹری میں داخل ہونے والے دروازے کے ماتھے پر یہ الفاظ لکھے ہیں کہ ایمان کے ساتھ زندہ رہو۔ اور یہ وہ صفت ہے کہ جس سے کوئی سائنسدان خالی نہیں ہو سکتا۔

آئن اسٹائن کا کہنا ہے کہ میں جتنا سائنس کا مطالعہ کرتا جاتا ہوں، اسی قدر خدا پر میرا ایمان بڑھتا چلا جاتا ہے۔ کوانٹم میکانکس کے بانی ہیزنبرگ کہتے ہیں کہ نیچرل سائنسز کا پہلا گھونٹ تمہیں ملحد بنا دے گا لیکن گلاس کی تہہ میں خدا تمہارا انتظار کر رہا ہے۔ کیمسٹری میں نوبل پرائز حاصل کرنے والے سائنسدان کرسچن ایفن سن کا کہنا ہے کہ میری نظر میں ایک احمق ہی ملحد ہو سکتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور ان سب اقوال کی تفصیل مع حوالہ جات ہماری کتاب "وجود باری تعالی" میں موجود ہے۔ دوسری طرف سقراط سے لے کر ہائیڈگر تک کسی ایک بڑے فلسفی کی ہی ایک اقتباس ایسا دکھا دیں کہ اس نے ایسے زوردار انداز میں خدا یا مذہب کا اقرار کیا ہو۔ تو فلسفے کے بارے یہ کہنا درست ہے کہ وہ الحاد کی وجہ ہے کہ آپ کو خدا تک نہیں پہنچاتا لیکن سائنس کے بارے یہ

دعوی خود مشاہدے کے بھی خلاف ہے اور اس میدان کی اتھارٹیز کے بیانات کے بھی۔

سائنس دشمنوں کا ایک اور مسئلہ بھی ہے کہ فلسفہ پڑھنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ بھئی، آج فلسفہ سوسائٹی میں ہے ہی نہیں، جو ہے وہ عملی صورت میں ہے، باقی یونیورسٹیز میں فلسفے کے شعبہ جات اب نزع کے عالم میں ہچکیاں لے رہے ہیں۔ اسٹیون ہاکنگ نے تو اپنے تئیں "دی گرینڈ ڈیزائن" کے مقدمے میں فلسفے کی موت کی تصدیق بھی جاری فرمادی۔ تو ہاکنگ کے زمانے میں نطشے کو جواب دینا کوئی عقلمندی نہیں ہے اور نہ ہی کرنے کا کام ہے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ اس امت کو دنیا کی امامت ملے تو فلسفہ کی بجائے سائنس پڑھیں اور اس میں امام بنیں۔ ہماری اس سائنس دشمنی کا کیا نتیجہ نکلے گا، پھر کوئی قادیانی/احمدی نوبل پرائز لے جائے گا اور پھر دنیا میں اس کی عزت افزائی پر بس گالیاں دیتے ہی رہ جائیں گے۔ پھر عجیب تماشا یہ ہے کہ پوری دنیا میں مسلمانوں کی ذلت کی وجہ انہیں صرف ایک ہی نظر آتی ہے، ایمان اور تقوی کی کمی۔ بھئی، کیا افغانیوں کے پاس ایمان کم تھا اور پاکستانیوں کے پاس زیادہ ہے جو ان کا تورا بورا نہیں بنا؟ سامنے کی بات ہے کہ پاکستان ایک ایٹمی طاقت ہیں، یہ ایک حقیقت ہے۔ اور خدا کے بعد سب سے بڑی یہی حقیقت ہے جس نے آپ کو عراق اور شام بننے سے ابھی تک بچایا ہوا ہے، کب تک اس سے آنکھیں بند رکھیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے زمانے کی بہترین ٹیکنالوجی، دماغ اور حکمت عملی کے ذریعے اللہ کے دین کو غالب کیا تھا۔ صحابہ کرام کی جماعت کوئی انسانوں کا ہجوم نہیں تھا جو محض اپنے ایمان اور تقوی سے غالب آگیا۔ سیرت نبویہ کی روشنی میں اس پر مفصل کلام ہم نے کسی اور مقام پر کیا ہے مثلاً ابن ہشام کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے طائف کی جنگ میں منجنیق اور دبابہ کا استعمال کیا ہے جو کہ اس زمانے کی توپ اور ٹینک تھا۔

سائنس کی اسلامائزیشن اور کرنے کا اصل کام

اسلامی اسکالرز کی طرف سے دو اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں؛ نالج کی اسلامائزیشن اور سائنس کی اسلامائزیشن۔ جو اسکالرز نالج کی اسلامائزیشن کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں تو وہ عموماً نالج سے مراد سوشل سائنسز لیتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک سائنس کی اسلامائزیشن کی ضرورت نہیں ہے

کہ سائنس، اسلامی فکر ہی کی ایکسٹینشن ہے۔ اسماعیل فاروقی صاحب نے اپنی کتاب اسلامائزیشن آف نالج اسی اپروچ کے تحت مرتب کی ہے کہ اصلاً جن علوم کی اسلامائزیشن کی ضرورت ہے، وہ سوشل سائنسز ہیں۔ اور اسلامائزیشن اس لیے ضروری ہے کہ ماڈرن سائنسز، طاقت کے حصول کا ایک سرچشمہ ہے۔

یہ بہت اہم سوال ہے کہ کیا آج دنیا میں کوئی قوم سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کے بغیر سپر پاور بن سکتی ہے؟ تو اس کا جواب نہیں میں ہے۔ اب جو لوگ ایک طرف خلافت کی باتیں کرتے ہیں اور مسلمانوں کی ذلت ورسوائی کا رونا روتے ہیں اور اس سے نکلنے کے حل تجویز کرتے ہیں، دوسری طرف سائنس اور ٹیکنالوجی کے دشمن ہیں تو یہ اصل میں کنفیوزڈ لوگ ہیں۔ اب دنیا میں بظاہر یہ طے ہو چکا ہے کہ وہاں یعنی دنیا کی امامت تک پہنچنے کا رستہ یہی ہے یعنی سائنس اور ٹیکنالوجی۔ باقی آپ کی دعاؤں سے امریکہ سمندر میں غرق ہو سکتا ہے، آپ کے ایمان سے روس مسلمان ہو سکتا ہے، آپ کے اخلاق سے چین متاثر ہو سکتا ہے، مجھے اس سے انکار نہیں ہے کیونکہ مجھ میں ابھی فتوے وصول کرنے کا حوصلہ نہیں ہے۔

اور مسجد بلکہ حرمین کی امامت کے لیے بھی سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی شرط نہیں ہے، یہ بات درست ہے۔ اور یہ امامت تو پہلے ہی سے آپ لوگوں کے پاس ہے۔ آپ تو دنیا کی امامت کے لیے تڑپ رہے ہیں اور اسے تمام مسائل کا حل بتلا رہے ہیں۔ تو دنیا کی امامت حاصل کرنے کا اللہ عزوجل نے ایک طریقہ مقرر کر دیا ہے، اسے ہم فالو کریں گے تو مل جائے گی۔ ورنہ یہودی تو سائنس اور ٹیکنالوجی کا دشمن نہیں نکلا اور آج اس نے خدا کے ہاں اتنی ذلت اور رسوائی کے بعد بھی اسرائیل جیسی سپر پاور قائم کر لی ہے۔ تمہارے لیپ ٹاپ کا پروسیسر بنانے والی کمپنی اسرائیلی ہے۔ سائنس دشمنی کرنی ہے تو پھر یا تو اپنا لیپ ٹاپ توڑو اور بالکل رہبانیت اختیار کر لو یا پھر کوئی معقول بات کرو۔ اب یہودیوں کی محتاجگی تمہاری نظر میں تمہارے دین کا کوئی بنیادی حکم ہے!

سید مسعود احمد کا کہنا یہ ہے کہ سائنس کے ذریعے کائنات میں تصرف کی جب آپ بات کرتے ہیں تو اگر تو انسان کا یہ تصرف اس لیے ہے کہ وہ کائنات کو اپنی خدمت کے لیے استعمال کر

سکے تو اس میں حرج نہیں ہے لیکن اب حضرت انسان اس کائنات میں ایسا تصور چاہتا ہے کہ جس سے وہ اس کو ایکسپلائٹ کر سکے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ شروع میں تو کائنات میں تصرف سے انسان کا مقصود اپنے مسائل کو حل کرنا تھا لیکن بعد میں وہ خدا کا حریف بن بیٹھا اور کائنات میں ایسا تصرف کرنے لگا جو ایکسپلائیٹیشن کے مترادف ہے جیسا کہ جینیٹک انجینیئرنگ میں اس کی بہت سی مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ تو یہ اہم نکتہ ہے کہ جس میں ہمیں سائنس اور ٹیکنالوجی کے ناقدین سے اتفاق ہے۔ لیکن اس کا تعلق پھر سائنس اور ٹیکنالوجی کے استعمال سے ہے اور وہ غلط ہو سکتا ہے بلکہ ہو رہا ہے، اس میں شک نہیں۔ اور اس پہلو سے سائنس اور ٹیکنالوجی پر نقد کریں، ہم آپ کے ساتھ کھڑے ہیں۔ لیکن کیا سائنس اور ٹیکنالوجی فی نفسہ بھی شر ہے؟ اس پر تا حال کوئی مضبوط دلیل سامنے نہیں آئی ہے۔

مسعود احمد صاحب نے ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی صاحب پر نقد کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ وہ علم کی تخلیق (knowledge creation) پر زور دیتے ہیں جبکہ یہ کام تو پہلے ہی ہو رہا ہے اور دھڑا دھڑ ہو رہا ہے۔ اور جو ہو رہا ہے وہ معیاری بھی نہیں ہے یعنی غیر معیاری ریسرچ پبلش ہو رہی ہے جو کوالٹی کی بجائے نمبر گیم زیادہ ہے کہ فلاں پروفیسر نے اتنے آرٹیکلز پبلش کر دیے اور فلاں نے اتنے۔ کرنے کا کام یہ ہے کہ علم کی اصلاح یعنی اسلامائزیشن آف نالج کا کام کیا جائے جو نہیں ہو رہا ہے۔ مسعود صاحب کا یہ نکتہ بھی بہت اہم ہے کہ اس وقت علم کی تخلیق سے زیادہ اہم کام اصلاح علم کا ہے کہ ایک ایسی تحریک برپا کی جائے کہ جس کے ذریعے جو علم پیدا کیا جا چکا ہے، اس کا قبلہ درست کر دیا جائے۔ مثال کے طور ان کا کہنا یہ ہے کہ ماڈرن اکالوجی میں تغیر پذیر عوامل تین ہیں؛ انسان، جاندار اور غیر جاندار اشیاء، اور اس میں ایک چوتھے عامل مدبر کائنات کو بھی شامل کر لیا جائے تو اس علم کا قبلہ درست ہو جائے گا۔

ضیاء الدین سردار صاحب کا کہنا یہ ہے کہ مورس بوکائے کی اپروچ درست نہیں ہے اور اسے وہ بوکائے ازم کا نام دیتے ہیں یعنی سائنس کے ذریعے مذہبی حقائق یا مذہب کے ذریعے سائنسی حقائق کی تصدیق کرنا۔ ان کے بقول یہ ایک وقت میں دو مالکوں کی غلامی کرنا ہے۔ لیکن وہ

خود سائنس کی اسلامائزیشن کے قائل ہیں اور ان کے بقول کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ سائنسی عمل، اسلامی تہذیب کی بنیادی اقدار کی روشنی میں پروان چڑھے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ جب کسی تہذیب میں سائنسی عمل پروان چڑھتا ہے تو اس تہذیب کی بنیادی اقدار اس سائنسی علم کا ایک ورلڈ ویو بنا دیتی ہیں جو صحیح یا غلط ہو سکتا ہے۔ انہوں نے دس ایسی اقدار کی نشاندہی کی ہے جو اسلامی سائنسی کلچر کی بنیاد رکھ سکتی ہیں اور وہ یہ ہیں؛ توحید، خلافت یعنی نیابت، عبادت، علم، حلال، حرام، عدل، ظلم، مصلحت اور ضیاع۔

سید مودودی صاحب نے بھی یہی لکھا ہے کہ ہمیں سائنس دشمنی نہیں کرنی ہے اور نہ ہی انسانی علوم ہمارے دشمن ہیں۔ سید مودودی صاحب کے بقول اہل مغرب نے علوم کے حقائق میں اپنے وجدان کو شامل کر دیا ہے اور اسلام کی دشمنی دراصل ان علوم کے حقائق سے نہیں بلکہ ان کے اس وجدان سے ہے جس کے سانچے میں انہوں نے اپنے علوم کو ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔ سید صاحب کے بقول آپ مغرب سے علوم کے حقائق لیں، کوئی حرج نہیں لیکن ان سے ان علوم کا وجدانی سانچہ بھی لے لیں تو یہ گمراہی ہے۔ اور سید صاحب کی یہ تنقید بہت بجا اور معتدل ہے۔ وجدانی سانچے سے مراد کسی بھی علم کے اساسی تصورات، بنیادی مفروضات اور نقطہ ہائے آغاز ہیں۔ سید صاحب کے بقول کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ تمام سائنسی علوم کو وہ نقطہ آغاز، وہ زاویہ نظر اور وہ اساسی اصول فراہم کر دینا چاہیے جو قرآن نے ہمیں دیا ہے۔ اور یہی اسلامائزیشن آف نالج ہے۔

سید حسین نصر صاحب نے بھی سائنس کے حوالے سے کافی کچھ گفتگو کی ہے اور ان کے تصورات رینے گینوں سے ماخوذ ہیں۔ سائنس کے بارے انصاری مکتب فکر کے اکثر لکھاریوں کے افکار و نظریات پر سید حسین نصر کے افکار کی چھاپ صاف نظر آتی ہے۔ سید حسین نصر صاحب نے رینے گینوں کی طرح سائنس کی حد درجہ مادہ پرستی کو ہدف تنقید بنایا ہے۔ اور نصر صاحب کے بقول سائنسی عمل اپنی ذات میں ہی انسان کو مادہ پرستی کی طرف لے جانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ نصر صاحب کے بقول چونکہ مراتب وجود مختلف ہیں لہٰذا ہر مرتبہ وجود کے لیے ذریعہ

علم بھی مختلف ہے۔اور کرنے کا کام یہ ہے کہ مادی وجود کے لیے ذریعہ علم اگر حسی ہے تو غیر مادی وجود کے لیے ذریعہ علم وجدان ہے، اس مقدمے کو سائنسی بنیاد فراہم کر دی جائے یا سائنس سے منوا لیا جائے۔ لیکن ہماری نظر میں یہ ممکن نہیں اور نہ ہی یہ قرآن مجید کا طریق کار ہے جیسا کہ آگے بیان ہو رہا ہے۔یہی وجہ ہے کہ حسین نصر صاحب کی تنقید کو سائنس پر صوفیانہ تنقید کا نام بھی دیا گیا۔

کتاب وسنت کا طریق کار حاضر سے غائب کی طرف رہنمائی کا ہے نہ کہ غائب کی تصدیق کے لیے ایک علیحدہ سے وجدانی علم کی بنیاد رکھنے کا جیسا کہ قرآن مجید میں کائنات میں غور وفکر والی آیات سے واضح ہے۔ پھر وجدان کسی شخص کی اپنی ذات کے لیے تو دلیل ہو سکتا ہے دوسروں کے لیے نہیں۔اور سائنس میں بھی کبھی کبھار وجدان کی بات ہوتی ہے کہ سائنسدان کو کبھی خواب میں اشارہ مل جاتا ہے لیکن اسے سائنسی طریقہ کار نہیں سمجھا جاتا اور نہ ہی اسے اس وقت تک سائنسی حقیقت مانا جاتا ہے جب تک کہ اسے سائنسی طریقوں کے مطابق ثابت نہ کر دیا جائے۔ خود میرے ساتھ ایسا ہوا کہ جن دنوں میں الحاد اور سائنس پر لکھ رہا تھا اور اسٹیون ہاکنگ کو بار بار پڑھ رہا تھا اور اس پر غور کر رہا تھا کہ یہ کائنات کیسے وجود میں آئی تو میں نے خواب میں ایک بڑی پروجیکٹر اسکرین پر کائنات کو وجود میں آتے دیکھا یعنی اس کے آغاز کو دیکھا کہ جس کو میرے لیے سائنسی زبان میں بیان کرنا ممکن نہیں کہ میں اس کا ماہر نہیں ہوں۔اور یہ سب ریسرچر کے ساتھ عام ہے، کافر ہو یا مسلمان، کہ جو کسی موضوع میں ڈوب کر ریسرچ کرتے ہیں تو انہیں اشارات ملتے ہیں۔تو اس حد تک بات درست ہے کہ ایک محقق کو اشارہ مل جائے۔ لیکن جو تحقیق ہی نہ کر رہا ہو، اس کے اشارے کی بھی کوئی وقعت نہیں ہے۔اور محقق کو بھی جو اشارہ ملتا ہے، وہ خود اس کی ذات کے لیے تو دلیل ہے، دوسروں کے لیے نہیں۔

پھر یہ جو تنقید ہے کہ سائنس میں بذاتہ مادہ پرستی موجود ہے کہ جب آپ صبح وشام مادے کا مطالعہ کریں گے تو روحانیت اور مذہب سے از خود دور ہو جائیں گے، تو یہ بھی کوئی وزنی دلیل نہیں ہے۔ ٹھیک ہے کہ سائنس کا موضوع مادہ ہے لیکن مجھے یہ بتلائیں کہ سائنس سے پہلے کے

دور میں ایک کسان سارا دن کھیت میں ہل چلاتا تھا تو وہ مٹی اور مادے کو نہیں دیکھتا تھا تو کسے دیکھتا تھا؟ کیا وہ آسمان کی طرف دیکھ کر ہل چلاتا تھا؟ ایک بڑھئی سارا دن لکڑی یعنی مادے سے نہیں کھیلتا تھا تو کس سے کھیلتا تھا؟ ایک لوہار کا اکثر وقت مادے یعنی لوہے کو مختلف شکلوں میں ڈھالنے میں نہیں گزرتا تھا تو کس میں گزرتا تھا؟ تو دین اسلام نے کسان، لوہار، اور بڑھئی کو تو یہ نہیں کہا کہ یہ پیشہ چھوڑ دو اور فُل ٹائم مسجد یا مدرسہ میں بیٹھ جاؤ۔ نہ تو انصار پر نقد کی گئی کہ کھیتی باڑی نہ کرو کہ مادیت تم پر غالب نہ آجائے اور نہ ہی مہاجرین کو یہ کہا گیا کہ تم تجارت چھوڑ دو کہ یہ مادیت پیدا کرتی ہے۔

قرآن مجید نے کسان کی بس رہنمائی کر دی کہ مٹی میں بیج ڈالتے ہوئے یہ غور کرو کہ اس سے پھل اور پھول نکالنے والی ذات، بس اللہ کی ہے۔ تو کرنے کا کام صرف اتنا ہی ہے۔ زمانہ جاہلیت کے کسان کو بھی معلوم تھا کہ رات کو خدا اس کے کھیت میں چکر نہیں لگاتا، اس لیے یہ دلیل بے معنی ہے کہ اب کے انسان کو جب یہ پڑھا دیا جاتا ہے کہ بیج سے پودا کیسے نکلتا ہے تو اس کا یقین خدا پر سے اٹھ جاتا ہے۔ سائنس نے صرف چند کڑیوں کا اضافہ کیا ہے کہ یہ ایسے ہوتا ہے، لیکن کون کرتا ہے، اس کا جواب نہیں دیا۔ یہ جواب اہل سائنس نے اپنے وجدانی سانچے سے سائنس میں ڈالا ہے اور یہی بات سید مودودی اور دیگر مفکرین کر رہے ہیں کہ آپ اس سانچے کو بدل دیں تو کوئی ایشو نہیں ہے۔

اور پھر انسان اگر زمین اور مادے کی طرف نہ دیکھے تو کس طرف دیکھے؟ آسمان کی طرف دیکھے؟ اگر آسمان کی طرف بھی دیکھنا شروع کر دے تو ایک مہینے بعد پھر یہ دعوی کر دے گا کہ مجھ پر وحی آنا شروع ہو گئی ہے یا مجھے الہام ہوتے ہیں یا مجھے کشف اور وجدان حاصل ہو رہے ہیں۔ تو کوئی مہدی ہونے کا دعوی کر دے گا، تو کسی کو اپنے آپ میں مسیح موعود نظر آئے گا۔ اور جس کا دیکھنا ذرا زیادہ توجہ اور یکسوئی سے ہو گیا تو نبوت کا دعوی بھی کر دے گا جیسا کہ اس امت کی تاریخ مہدویت، مسیحیت اور نبوت کے جھوٹے دعویداروں سے بھری پڑی ہے۔ یہ سارے وہی تو تھے کہ جن پر مادیت کی نسبت روحانیت غالب آگئی تھی۔ اسی لیے تو بعض صوفیاء کی کفریہ عبارتوں کو

شطحیات کی اصطلاح کا لباس پہنا دیا گیا اور ان کی عجیب و غریب تاویلیں کر کے ان کفریہ دعووں کو اسلامائز کرنے کی کوشش کی گئی۔ تو مادے سے بھاگنے سے کیا آزمائش سے نہیں بچ پاؤ گے۔ آزمائش تمہاری تقدیر ہے، بھلے روحانیت میں قلعہ بند ہو جاؤ بلکہ وہاں زیادہ آزمائشیں ہیں، مادیت میں کم ہیں۔ یہی تو ہم سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ پیغمبر کا ایک رخ مخلوق کی طرف ہوتا تھا کہ جسے رسالت کہتے ہیں اور دوسرا خالق کی طرف کہ جسے نبوت کہتے ہیں۔ تو رسالت، نبوت سے افضل ہے۔ اس پر تھوڑا غور کر لیں تو بات کھل جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے "الدر الثمین" میں کہا ہے کہ وہ علمائے ظاہر کہ جن کا رخ مخلوق کی طرف ہے، مجھے ان صوفیاء سے بلند مقام نظر آتے ہیں کہ جن کا رخ اللہ کی طرف ہے۔

تو اس حوالے سے علی گڑھ اسکول آف تھاٹ نے ایک سینٹر بنایا تھا "سینٹر فار اسٹڈی آن سائنس" یعنی سائنس کی اسٹڈی نہیں بلکہ سائنس کے بارے اسٹڈی کہ ہم نے امت کو سائنس کے حوالے سے کیا بیانیہ دینا ہے۔ اس اسکول نے ایک ریسرچ جرنل بھی "جرنل آف اسلامک سائنس" کے نام سے جاری کیا تھا۔ اس مکتب فکر کی تحریروں کا ذکر ضیاء الدین سردار اور حسین نصر کے ہاں بھی ملتا ہے۔ اس مکتب فکر کے افکار کے حوالے سے ڈاکٹر محمد ذکی کرمانی صاحب کی کچھ تحریریں آپ کو مل جائیں گے۔ ڈاکٹر ذکی کرمانی صاحب "سینٹر فار اسٹڈی آن سائنس" اور "مسلم ایسوسی ایشن فار دی ایڈواس مینٹ آف سائنس" کے موسسین میں سے بھی ہیں۔ تو پاکستان میں بھی ایسے کسی علمی پلیٹ فارم کی ضرورت ہے کہ جہاں سائنس کے حوالے سے امت مسلمہ میں موجود مختلف بیانیوں کو زیر بحث لایا جا سکے تا کہ امت کو کسی راہ پر تو لگایا جائے۔ میں اپنی یونیورسٹی میں اس حوالے سے ایک کوشش کر رہا ہوں کہ فزکس کے ڈسپلن میں کوئی کانفرنس اس موضوع پر منعقد ہو سکے کہ جس میں مذہبی ذہن رکھنے والے سائنس کے طلباء اور پروفیسر اس بارے مختلف پہلوؤں پر مقالہ جات پیش کریں تا کہ سائنس کے حوالے سے کوئی معتدل بیانیہ جاری ہو۔ بس، اللہ عزوجل کچھ کرنے کی توفیق نصاب فرمادیں۔

❀❀❀❀❀